بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ

مدیر مسئول: مولانا سمیع الحق

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

فون نمبر : 05231_630340

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان سالانہ بدل اشتراک

اندرون ملک فی پرچہ ۱۵/ روپے سالانہ ۱۵۰/ روپے، بیرون ملک ۲۰ امریکی ڈالر

پبلشر، سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ ..... منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز

نئی حکومت کی ابتداء قوم کو مہنگائی اور قحط کے تحفے

بھاری مینڈیٹ سے آنے والی حکومت کے آتے ہی اس بدقسمت قوم پر مختلف آفات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ کہیں بستی زمین میں دھنس رہی ہے اور کہیں زلزلے اور اس پر مستزاد ٹرین کا حادثہ۔ پھر چشم فلک نے یہ تماشہ بھی دیکھا کہ ڈیڑھ ماہ بھی ابھی حکومت کے نہیں گزرے تھے، کہ قوم سڑکوں پر نکل آئی کیوں ؟ صنعتکاروں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی حکومت میں آٹا عنقا۔روزبہ روز لوگ سڑکوں پر نکلتے ہیں اور اپنے احتجاج کیلئے انہوں نے ٹریفک جام کرنے کا طریقہ اپنایا ہے۔ وزیراعظم صاحب نے اقتدار سے پہلے بلند بانگ دعوے کئے تھے کہ بس مجھے اقتدار ملانہیں اور ادھر فوراً خلافت راشدہ کا نظام نافذ ہوا۔۔۔۔لیکن حالات پی پی کی بے نظیر حکومت سے بھی بدتر ہیں۔ اور پھر آفرین صد آفرین اس عقل و دانش پر کہ قوم روٹی کے لئے تڑپتی ہے اور وزیراعظم صاحب آٹھویں ترمیم کے ختم کرنے کے لئے سرگرداں تاکہ جلد ازجلد اس ترمیم سے چھٹکارا حاصل کرکے ارتکاز اختیاران کے ہاتھ میں رہے اور اس کے سر سے پارلیمنٹ کی تحلیل کی تلوار اٹھ جائے ، اور وہ پورے پانچ سال بغیر کسی باز پرس کے کرسی اقتدار پر براجمان رہیں

قحط اور بھوک سے نڈھال قوم اس سوال میں حق بجانب ہے کہ آٹھویں ترمیم سے کیا ہماری بھوک ختم ہو جائے گی ہمارا پیٹ بھر جائے گا اور ہماری مفلوک الحالی دور

ہوجائے گی اس کا فائدہ تو صرف ایم این ایز اور ایم پی ایز حضرات اور اراکین حکومت کو پہنچے گا غریب تو اسی طرح غریب ہی رہے گا۔اس کی قسمت میں ہمیشہ کی طرح زندہ باد اور مردہ باد کہنا ہوگا۔چاہیئے تو یہ تھا کہ بھاری مینڈیٹ سے آنے والی حکومت اھل وطن کے ساتھ انتخابات کے دوران کیئے گئے وعدوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ٹھوس اقدامات کرتی لیکن کیا ان لوگوں سے عوام کسی خیر کی توقع کرسکتے ہیں۔جو کہ کرپشن میں مبتلا ہیں اور اب تو ماشاء اللہ ایسے وزراء کو بھی قلمدان وزارت تھمادی گئی ہے جن کا ماضی داغدار اور کردار بداہۃً مشکوک ہے

آٹھویں ترمیم ختم کردی گئی تو اس سے کون سا انقلاب آیا؟ پہلے اختیارات صدر کے پاس تھے اور اب وزیر اعظم صاحب کے پاس ہونگے۔اور صدر صرف "دعا اور تبرک" کے لئے رہ جائے گا۔ جیسا کہ ذولفقار علی بھٹو کے زمانہ میں صدر فضل الٰہی چوہدری۔ قوم اب مزید طفل تسلیوں کا متحمل نہیں ہوسکتی ان کے لئے آٹھویں ترمیم ختم کرنے یا پاکستان کی گولڈن جوبلی میں کوئی کشش نہیں۔ گولڈن جوبلی منانے کے شوق فضول میں قومی خزانہ بے دریغ لٹایا جارہا ہے۔ اور دوسری طرف وزیراعظم قرض اتارنے کے لئے عوام سے چندے کی اپیلیں کررہے ہیں۔ گولڈن جوبلی منانے پر جتنا روپیہ خرچ ہورہا ہے اگر یہ رقم قرض اتارو مہم میں لگا دی گئی تو اس سے کم از کم قوم کو فائدہ پہنچے گا۔ جبکہ گولڈن جوبلی منانے میں سوائے گھاٹے کے اور کچھ بھی نہیں۔ جبکہ اس پر گولڈن جوبلی کا اطلاق بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ جو پاکستان ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا اس کا نہ اصل جغرافیہ صفحۂ ہستی پر موجود ہے، اور نہ صحیح تاریخ اور نہ وہ نظریہ جس کی بنیاد پر یہ ملک قائم ہوا تھا۔ تو پھر گولڈن جوبلی کس خوشی میں۔

ملک میں نئی حکومت کے آتے ہی قحط سالی کا دور شروع ہوا۔ اورگولڈن جوبلی کے موقع پر آج ملک صومالیہ اور ایتھوپیا کا منظر پیش کررہا ہے۔ پورا ملک بھوک کے ہاتھوں

بلبلا اٹھا ہے۔ غریب عوام ہفتوں سے بھوکے، خالی پیٹ آٹے کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اس دفعہ تو یقیناً عوام پر اس حقیقت کا انکشاف ہوگیا ہوگا کہ ان کی ساری امیدیں اور آرزوئیں فقط ایک دیوانے کا خواب ہیں۔پی پی ، مسلم لیگ اور ان کے حواری ایک ہی کھوٹے سکے کے دو رخ ہیں۔ہم بار بار چلاتے ہیں کہ یہ لوگ ایک ہی تھیلی کے چھٹے پٹے ہیں ایک ہی نظام کے پروردہ ہیں امریکہ کے پھٹو اور یہود و نصاریٰ کے غلام سامراج کے ایجنٹ اور آئی ایم ایف کے آلۂ کار ہیں۔پاکستان کی وزیر خوراک جو کہ ماشاءاللہ ایک جانی پہچانی خاتون ہیں وہ فرماتی ہیں کہ ملک میں کوئی قحط نہیں اور یہ عارضی بحران ہے اور چند دن میں ختم ہوجائے گا۔یہ تو اس بادشاہ کی شہزادی والا قصہ ہے کہ ملک میں قحط تھا اور گندم غائب تھا (موجودہ صورتحال کی طرح) شہزادی نے پوچھا کہ یہ لوگ کیوں چیخ رہے ہیں ، ایک وزیر نے کہا کہ گندم نہیں تو اس نے کہا کہ بس اتنی سی بات پر ۔ جب گندم نہیں تو یہ لوگ پلاؤ کیوں نہیں کھاتے۔ہماری حکومت کی "شہزادی" تو اس شہزادی سے بھی دو ہاتھ آگے فرما چکی ....یہ تو ابتداء ہے بھاری مینڈٹ والی حکومت کی...... اور انتہا نامعلوم

دیکھئے بھاری مینڈیٹ اور مکمل خود مختاری کے نشہ سے سرشار مسلم لیگ حکومت کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

واللہ یقول الحق و ہو یہدی السبیل

راشد الحق سمیع

مولانا نور عالم خلیل امینی
ایڈیٹر الداعی واستاذ ادب عربی دارالعلوم دیوبند

علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلبی شامیؒ

۱۳۳۶ _ ۱۴۱۷ھ / ۱۹۱۷ _ ۱۹۹۷ء

(خاکہ وتاثرات)

جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز

شب دوشنبہ ۹ / ۱۰ / ۱۴۱۷ھ (بحساب ہندوستانی جنتری) ۱۰ / ۱۰ / ۱۴۱۷ھ (بحساب سعودی جنتری) مطابق ۱۷ / ۲ / ۱۹۹۷ء ٹھیک ۱۲ ۲ / ۱ بجے (بوقت ہندوستان) دس بجے (بوقت سعودی عرب) مطالعہ کی کتاب کو میز پر ڈال اور الارم گھڑی بغل میں رکھ میں بستر پر دراز ہونا ہی چاہتا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، میں نے رسیور ہاتھ میں لیا تو معلوم ہوا کہ ریاض سے ایک قاسمی دوست کا فون ہے، انہوں نے علیک سلیک کے بعد جب یہ کہا کہ میں تمھیں ایک اندوہ ناک خبر سنانے جارہاہوں تو راقم نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے ان سے عرض کیا ’ بتائیں‘ انہوں نے کہا آج یعنی بروز یکشنبہ 16 فروری 1997ء بوقت فجر، ریاض کے ہسپتال ’ مستشفی الملک فیصل التخصصی ‘ میں علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رکن اساسی رابطہ عالم اسلامی اور سابق نگران اعلیٰ اخوان المسلمین سیریا نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ابھی ذرا دیر پہلے مسجد نبویؐ میں ان کی نماز جنازہ ہوئی ہے اور جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے ہیں۔ کافی دیر تک اناللہ...... کا ورد کرتا اور اپنے کو تسلی دیتا رہا۔ نگاہوں کے سامنے علم وعمل کی برکات سے منور ان کے روشن چہرے کی تصویر پھر گئی اور ان کی دید وشنید کا پورا دورانیہ سامنے آگیا۔

ہمارے دوست کی مہربانی سے ان کے عالم جاودانی کو سدھار جانے کی خبر فوراً مل

گئی، خدا انہیں بھی خوش رکھے، لیکن دل پر غم واندوہ کی فضا نے جس طرح ڈیرہ ڈالا اور اس وقت سے اب تک قلب وجگر کی جو کیفیت ہے اسے خدائے علیم ہی جانتا ہے، اسے بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔

رنج والم کی یہ کیفیت برصغیر کے صرف چند ہی علماء ربانیین اور عالم اسلام کے انگلیوں پر شمار کیے جانے والے مفکرین وادبائے مخلصین کی وفات پر ہی محسوس ہوئی تھی۔ میرا ایمان ہے کہ دل فگاری کی اسی کیفیت سے عالم اسلام وعالم عرب میں عموماً اور برصغیر میں خصوصاً وہ ہزاروں علما دوچار ہوتے ہوئے ہوں گے جنہیں ان سے ان کی للہیت اور ان کے غیر معمولی علم وفضل کی وجہ سے اسی طرح کی محبت وعقیدت تھی، جیسی عہدقریب کے برصغیر کے خدارسیدہ ومحبت چیدہ علمائے عالی مقام ومشائخ ذی احترام سے۔

اس دور آخر میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ایسے عالم باعمل، محدث، دیدہ وراور فقیہ نبض آشنائے شریعت مطہرہ کی نظیر عالم عرب واسلام میں کم ہی ملے گی بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ بے مثال تھے۔ ان کی علمی بے پناہی کے ساتھ ان کے ذوق عبادت وشوق طاعت اور علمی ہمہ گیری میں بالخصوص عالم عرب میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو، ہرچند کہ بعض حلقوں کو شاید یہ بات ناگوار گزرے جو اپنے مکتبہ فکر کے خول سے باہر دیکھنے کا حوصلہ نہیں جٹا پاتے۔

میں نے عالم اسلام کو جہاں تک دیکھا اور سنا ہے تو میں نے یہ پایا ہے کہ وہاں علامہ کبیر، محدث جلیل، مفکردوراندیش، مفتی باخبر، قاضی بابصیرت کی کوئی کمی نہیں۔ البتہ وہاں ایسے انسانوں کی بے شک کمی ہے جو اپنے علمی وعملی منصب کے معیار پر سیرت وکردار اور عمل واخلاق کے اعتبار سے پورے اترتے ہوں۔ وسیع العلمی دقیق النظری کے ساتھ ساتھ بہت سارا پیہم اور مربوط عمل، یہی وہ امتیاز ہے جو علامہ عبدالفتاح ابوغدہ کو اپنے بہت سے اقران سے جدا کرتا ہے، ان اقران سے جن کے اسماء والقاب، شکل وصورت، کلاہائے بلند، زبان ہائے فصاحت ریز وقلم ہائے رواں وسیل صفت سے ایسی شوکت وعظمت برستی ہے کہ صرف ہم ایسے خردوں ہی کا نہیں بہت سے بزرگوں کا بھی مرعوبیت کے مارے براحال ہوجاتا ہے۔

پھر یہ کہ علم کے اعتبار سے بھی وہ صرف ایک دوفن کے غواص نہیں تھے، بلکہ سلف صالحین اور علمائے متقدمین کی طرح بہت سارے علوم کے شناور تھے۔ علوم قرآن وحدیث ، فقہ واصول فقہ، اسماء الرجال اور تاریخ وغیرہ میں ان کی استاذیت تو مسلم تھی ہی لیکن وہ عربیت ، صرف ونحو، معانی وبیان، علم العروض والقوافی، فن انشاپردازی ونثرنگاری، منطق وفلسفہ اور عالم النفس کے بھی صاحب نظر عالم اور ماہر مصنف تھے۔

انہی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے ساری دنیائے عرب واسلام میں ہزاروں علماو طلبہ وعلم دوست لوگوں کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ وہ دنیائے علم کا ایک تاب ناک ترین ستارہ ، ایک معتبر علامت اور حلقہ فقہا ومحدثین وعلماء زاہدین کا گوہر شب تاب تھے۔

علم کا ایسا رسیا اور اسے ہر ممکن طریقے سے حاصل کرنے اور ہمہ وقت اس میں لگارہنے والا، نیز اپنے سے سن وسال میں چھوٹے اور تجربہ وآگہی میں کم تر سے بھی فیض یاب ہونے کا حوصلہ رکھنے والا میں نے ان کے ایسا کسی اور کو کیوں دیکھا ہوگا اپنے سے بڑے سے اکتساب کا تو ذکر ہی کیا۔

اسی شوق طلب کی وجہ سے ان کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد ۱۲۰ (ایک سو بیس) تک پہنچتی ہے، ان میں سے اکثر کا تعلق ان کے مادر وطن حلب ودمشق پھر قاہرہ ومصر، مغرب عربی اور برصغیر سے ہے، جہاں کے علماء کے وہ بےحد دل دارہ ومعتقد رہے تھے اور زندہ ومردہ دونوں قسم کے علماء سے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

علمائے ہند سے ربط وتعلق :-

وفات یافتہ علماء میں سے وہ امام عالی مقام احمد بن عبدالرحیم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ - ۱۱۷۶ھ / ۱۷۰۳ - ۱۷۶۳ء) علامہ عبدالحئی فرنگی محلی (۱۲۶۴ - ۱۳۰۴ھ / ۱۸۴۸ - ۱۸۸۶ء) سے بہت عقیدت رکھتے تھے، ثانی الذکر کی بہت سی کتابوں کو اپنی تحقیق وتحشیے کے ساتھ عالم عرب سے شائع کیا اور علمائے عرب کو ان سے متعارف ہونے اور فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔

ان دونوں بزرگوں کے بعد وہ محدث عبقری علامہ محمد انور شاہ کشمیری نوراللہ مرقدہ (۱۲۹۲ - ۱۳۵۲ / ۱۸۷۵ - ۱۹۳۳ء) کے حددرجہ قدرداں تھے ۔ ان کی میراث علمی سے

ہمیشہ فائدہ اٹھاتے اور اپنے عرب دوستوں کو اس علمی خزانے سے اپنا حصہ پانے کا مشورہ دیتے رہتے تھے۔ علامہ کی ایک سے زیادہ کتابوں کو ایڈٹ کر کے بیروت وغیرہ سے شائع کیا تھا۔

پھر علامہ کشمیری کے تلمیذ رشید مولانا بدر عالم میرٹھی (۱۲۱۶ - ۱۳۸۵ ھ / ۱۸۹۸ ۱۹۶۵ نیز محدث کبیر مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب ؒ اعلاء السنن ؒ (۱۳۱۰ - ۱۳۹۴ ھ / ۱۸۹۲ - ۱۹۷۴ ء) جن کی کتاب ؒ اعلاء السنن ؒ پر ان کا فاضلانہ مقدمہ علم حدیث میں ان کی دست گاہ کی روشن دلیل ہے۔ نیز مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی پاکستانی (۱۳۱۴ - ۱۳۹۴ ھ / ۱۸۹۴ - ۱۹۷۶ ء) اور علامہ کشمیری کے شاگرد رشید اور ان کے علمی ترکے کے مدون وناشر محدث کبیر مولانا محمد یوسف بنوری صاحب ؒ معارف السنن ؒ (۱۳۲۶ - ۱۳۹۷ ھ / ۱۹۰۸ - ۱۹۷۷ ء) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا کاندھلوی (۱۳۱۵ - ۱۴۰۲ ھ / ۱۸۹۷ - ۱۹۸۲ ء) اور دور آخر میں برصغیر کے محدیث و محقق مولانا حبیب الرحمن اعظمی (۱۳۱۹ - ۱۴۱۲ ھ / ۱۹۰۱ - ۱۹۹۲ ء) کے نہ صرف قائل تھے بلکہ ان میں سے جنھیں پایا ان کی صحبت اور علمی خزانے اور جنھیں نہیں پایا ان کی تصنیفات سے علمی دقیقہ رسی وگوہرباری سیکھی اور علماء وطلبہ کو انہیں حرز جاں بنالینے کی تلقین کی۔

برصغیر کے خطیب بے بدل اور اسلام کے لسان ناطق مولانا قاری محمد طیب ؒ (۱۴۱۵ - ۱۴۰۳ / ۱۸۹۷ - ۱۹۸۳ ء) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مشہور مفکر وداعی ومصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ (۱۳۳۳ ھ / ۱۹۱۴ ء _) سے حددرجہ قلبی الس، فکری ہم آہنگی، روحانی یکسانیت اور مسلکی یگانگت تھی۔

علامہ ابوغدہ نے ائمۃ سلف کی کتابوں پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ علمائے ہند کی تصنیفات وتالیفات کو بھی اپنی علمی توجہ کا مرکز بنایا، چنانچہ دقت ریزی کے ساتھ عصری اسلوب میں انہیں ایڈٹ کیا، ان پر حاشیہ نویسی کی اور انہیں عالم عرب کے مکتبات سے بڑی عرق ریزی کے ساتھ شائع کروایا۔ اس طرح علمائے عرب کو ان سے مطلع ہونے اور ان سے علمی پیاس بجھانے کی راہ ہموار ہوئی۔ مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے بعض ہندی علماء کو بھی ہمارے اکابر کی بہت سی تصنیفات کا علم تب ہوا جب شیخ ابوغدہ نے ان کی علمی اہمیت کو اجاگر کیا اور انہیں روشنی میں لائے۔ افسوس ہے کہ

لمائے برصغیر کو ان کی قدر وقیمت کے ساتھ جاننے والا دنیائے عرب میں شیخ ابوغدہ کی قدوقامت کا اب کوئی عالم نہیں رہا۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے مشائخ سے عقیدت:۔

وہ دارالعلوم دیوبند کی ہمہ گیر علمی ودینی خدمات کے بڑے مداح اور وکیل تھے۔ علم ودین واخلاص کے حوالے سے بانیان دارالعلوم کے مقام و مرتبہ کو خوب خوب جانتے تھے اور اس دیار میں اسلامی حکومت وشوکت کے زوال کے بعد اسلامی وجود کی بالعموم اور دینی علوم ودین اسلام کی بالخصوص حفاظت کے سلسلے میں ان کے کردار کی آگہی اس طرح رکھتے تھے کہ اب کسی عزلی عالم سے موجودہ حالات کے چوکھٹے میں شاید ہی امید کی جاسکے۔ وہ دیوبند کئی مرتبہ آئے اور اپنی حسین یادوں اور عطر بیز تاثرات کا اپنی گل ریز زبان میں اظہار کیا۔ وہ دارالعلوم میں اپنے کو موجود پاکر قلبی اطمینان اور روحانی سکون محسوس کرتے جیسے مچھلی کو ساز گار پانی مل گیا ہو اور خدام دارالعلوم کو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اپنے کسی سلف کی محفل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں دیوبند سے ہر طرح مسلکی ودعوتی اتفاق وامتزاج تھا۔

مختصر سوانحی خاکہ:۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ بن محمد بن بشیر بن حسن، ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء میں سیریا یعنی ملک شام کے شمالی شہر حلب میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب صحابی رسول خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ ان کے خاندان میں مکتوبہ شکل میں شجرہ نسب محفوظ ہے۔ حلب کے علماء ومشائخ سے کسب علم کیا۔ خصوصاً مدرسہ سرویہ عثمانیہ میں جو اس وقت مدرسہ ثانویہ شرعیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ میں سند فراغ حاصل کیا ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء میں فارغ ہوئے۔ پھر مدینۃ علم وثقافت قاہرہ کا رخ کیا اور جامع ازہر سے ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء میں علوم شرعیہ میں سند فراغ حاصل کیا اور وہیں سے ۱۳۶۸ھ / ۱۹۵۰ء میں کلیۃ اللغۃ العربیہ سے اصول تدریس میں اختصاص کی سند حاصل کی۔

شیخ کے بعض تلامذہ نے لکھا ہے کہ ان کی روحانی تشکیل وتعمیر میں جن صاحب تاثر علماء کا بطور خاص حصہ رہا ہے ان میں علامہ وفقیہ مربی شیخ عیسیٰ بیانوی حلبی متوفی

۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء مدفون بہ جنت البقیع مدینہ منورہ، علامہ و محدث و مورخ وادیب شیخ محمد راغب طباخ حلبی متوفی ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء اور فقیہ ولغوی علامہ مصطفیٰ الزرقاحلبی مدظلہ سرفہرست رہے ہیں۔

جامع ازہر میں علامہ ابوغدہ نے ایسے یگانہ روزگار علماء ومشایخ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا جن کی نظیر اب جامع ازہر میں یا دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ ان میں قابل ذکر فیلسوف اسلام شیخ یوسف دجوی متوفی ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۴ء، شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری متوی (۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء، محدث جلیل علامہ احمد محمد شاکر متوفی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء اور علامہ واصولی ولغوی شیخ الازہر محمد الخضر حسین رحمہم اللہ اجمعین ہیں۔

قاہرہ میں جس شخصیت نے انہیں سب سے زیادہ متاثر کیا اور جس کا ان کے اوپر سب سے زیادہ رنگ چڑھا اور وہ ان کے دل میں گھر کر گئی اور زندگی بھر اس کے سحر میں گرفتار اور اس کے فکر ونظر کے قدح خوار رہے وہ امام وقت، علامہ زماں، محدث دوراں محمد زاہد کوثریؒ متوفی ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء کی شخصیت تھی۔ علامہ کوثری بھی علامہ ابوغدہ کی ذہانت، ذوق مطالعہ، شوق طلب اور جنون جستجو سے بہت متاثر تھے، حتیٰ کہ اگر حاضری میں زیادہ ناغہ کرتے تو انہیں شاق گزرتا اور اس سلسلے میں انہیں متنبہ کرتے۔

علامہ ابوغدہ کی زندگی وحالات کا مطالعہ کرنے والے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ علامہ کے ہاں جو علمی تنوع تھا، تحصیل علم میں زندگی بھر جو انہماک، لگن اور جان سوزی رہی وہ ان کے اندر علامہ کوثری ہی کی صحبت اور نفس گرم کی تاثیر تھی کیونکہ کوثریؒ بہت سارے علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے۔

مصر میں علامہ نے میرکارواں امام حسن البنا شہید (ش ۱۹۴۹) کی نگہ بلند، سخن دل نواز اور جان پرسوز سے رخت سفر حاصل کیا، ان کی اخوان المسلمون کے فکر ونظر کو اپنایا اور تادم زندگی عالم عرب کی نشاۃ ثانیہ کی اس سب سے بڑی اور طاقت وروذی تاثیر جماعت وتحریک کے اعلیٰ قائدین میں ان کا شمار رہا اور اپنے ملک کے اخوانیوں کو نازک وقتوں میں نہ صرف سہارا دیا بلکہ ان کے عقل ودل کو اپنے شررشعلہ محبت سے نئی زندگی بخشی۔

مصر سے توشۂ علم و آگہی اور زاد عشق و مستی و نظر حکیمانہ ، گفتار دل برانہ اور کردار قاہرانہ کے ساتھ اپنے وطن سیریا واپس آئے تو وہ یہاں کے اخوانیوں کی دعوتی ، فکری اور تحریکی زبان اور ان کے جذبات واحساسات کے ترجمان بن گئے۔ اور وہ ان کی علمی گیرائی و گہرائی ، فرزانگی وسعت قلبی ، روشن ضمیری، حق گوئی و بے باکی، اندیشۂ شاہیں عفت اور سوز و تب و تاب کی وجہ سے ان کرگرد اکٹھا ہوگئے اور وہ ان کے ملجاوماوی بن گئے۔ باوجود یہ کہ وہ شہید علم تھے۔ اور ان کا اوڑھنا بچھونا علمی، دعوتی اور تصنیفی و مطالعاتی اشغال تھا لیکن وقت کی نزاکت نے انہیں کئی مرتبہ اخوان کی انتظامی ذمہ داریوں کو اٹھانے پر بھی مجبور کیا لیکن جلد ہی کسی لائق فرد کے سپرد کر کے سکندری پر قلندری کو ترجیح دیتے رہے۔ ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء میں ایک مرتبہ پھر انہیں سیریا کی اخوان کا مراقب عام بننا پڑا۔ لیکن ۱۴۱۱ / ۱۹۹۱ء میں انہوں نے ڈاکٹر حسن ہویدی کو یہ ذمہ داری سونپ دی۔

اخوان پسندی اور اخوانیوں کے ساتھ اسلام و مسلمانوں کے مسائل کو اٹھانے اور اس اسلامی، وعربی ملک میں احکام اسلام کی پامالی کے خلاف آواز بلند کرنے کی وجہ سے ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء میں انھیں دعاۃ و مفکرین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا، اور "تدمر" کے صحرائی جیل میں وہ گیارہ (۱۱) ماہ تک قید رہے۔ لیکن ۵ جون ۱۹۶۷ء / ۱۳۸۷ء کے المیے کے بعد (جس میں اسرائیل کے مقابلے میں عربوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا اور بیت المقدس نیز دریائے اردن کے مغربی کنارے اور صحرائے سینا پر اسرائیل کے، قبضے کا وہ حادثۂ جاں کاہ پیش آیا تھا جس کا زخم اب ناسور بن چکا ہے اور ذلت ورسوائی کا جو تسلسل تاہنوز جاری ہے، وہ اسی غیرت شکن اور حمیت سوز شکست کی دین ہے) انھیں اور ان کے ساتھ قید علماء و مفکرین کو رہائی نصیب ہوئی تھی۔ (۱)

۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء میں انہیں سیریائی پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کیا گیا جو گویا یا سیریائی عوام کی طرف۔ سے ان کے حق میں خراج محبت تھا۔ ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء میں سیریا کی وزارت معارف۔ کی طرف سے منعقدہ مسابقۂ مدرسین تربیت اسلامی میں حصہ لیا اور تمام شرکاء میں نمبر ایک رہے۔ حلب کے مدارس ثانویہ میں ۱۱ سال تک تربیت اسلامی کا مضمون پڑھایا نیز اس مضمون کی درسی کتابوں کی تیاری میں سرگرم طور پر حصہ لیا اسی

کے ساتھ ساتھ تربیت ائمہ ودعاۃ کے مدرسے موسوم بہ مدرسہ شعبانیہ اور ثانویہ شرعیہ یعنی سابق مدرسہ خسرویہ (جہاں انہوں نے خود بھی تعلیم حاصل کی تھی) تدریس کی خدمت انجام دی۔

پھر انہیں دمشق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کا استاذ منتخب کیا گیا جہاں تین سال تک اصول فقہ، فقہ حنفی، فقہ مذاہب اربعہ کے مضامین پڑھائے اور " معجم فقہ المحلی لابن حزم" کی تکمیل کی جسے دمشق یونیورسٹی نے دو جلدوں میں شائع کیا۔

اس کے بعد وہ ۲۳ سال ریاض سعودی عربیہ کی دونوں اہم جامعات میں استاذ رہے۔ چنانچہ ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء تا ۱۴۰۸ / ۱۹۸۸ء جامعہ اسلامیہ امام محمد بن مسعود میں اور ۱۴۰۸ھ تا ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۱ء جامعۃ الملک سعود میں وہ حدیث شریف کے ہردل استاذ رہے۔ اس مدت میں ہزاروں طلبہ نے ان کے خوان علم سے خوشہ چینی کی۔ بعض حلقوں کی طرف سے ان کے حنفی واخوانی مذاق ومزاج اور زہدانہ وصوفیانہ فکرونظر کی وجہ سے اذیت رسانی کا ارتکاب بھی کیا گیا، لیکن علماء سلف صالحین کی طرح انھوں نے صبرواحتساب سے کام لیا اور مذکورہ حلقے کے جدال پسند ونقاش پیشہ وتنگ نظری شعار وسلامت روی بیزار علماء کی طرح کبھی انتقامی کاروائی کی نہیں سوچی بلکہ اپنا معاملہ صرف اپنے رب شکور کے سپرد کرکے یک سو ہوگئے اور اپنے کردار، اپنے علمی مقام، اپنی گراں مایہ وبے نظیر علمی ودینی خدمات کو خدا اور خلق خدا کے روبہ رو شہادت ناطقہ رہنے دیا۔

علمی ہمہ گیری :-

علامہ ابوغدہ کو فقہ حنفی پر عبور تھا جس کے وہ متبع بھی تھے۔ نیز فقہ شافعی اور دیگر اسلامی مذاہب کی فقہ پر بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ اصول فقہ، اصول حدیث، فن اسماء الرجال اور حدیث کے متناً وسنداً وروایۃً ماہر تھے۔ ساری زندگی ان فنون کے پڑھنے پڑھانے ، نشرواشاعت اور تصنیف وتالیف میں گزاری۔ ان فنون پر اپنی تالیفات اور سلف کی تصنیفات کی تحقیقات، وتعلیمات کے ذریعے عصر حاضر کے علماء وطلبہ کے لیے استفادے کو آسان بنادیا۔ ان کی تصنیفات اور تحقیقات دونوں میں وہ بلغ نظری، جامعیت اور وسعت فکری ہے۔ جس کا سرچشمہ ہمہ وقتی مطالعہ ، بے تکان کتب بینی ، کشادہ قلبی اور علم النفس کی غواصی ہے۔ جس میں انہوں نے دوسال تک ماہرانہ بصیرت پیدا کی

تھی۔ اس لیے ان کی تصنیفات و تحقیقات بلکہ محاضرات وخطابات میں اس طرح کا موازنہ ومحاکمہ ہواکرتا ہے جس کی بنیاد علم النفس پر قائم ہوتی ہے۔

ان کے علمی کام کی تعداد ساٹھ سے متجاوز ہے۔ جس کا دوتہائی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے متعلقات کے موضوع پر ہے اور ایک تہائی کا تعلق فقہ اوردیگر اسلامی موضوعات سے ہے۔ (۲) استاذعبدالوہاب بن ابراہیم ابوسلیمان نے صحیح کہا ہے کہ:

" علامہ عبدالفتاح ابوغدہ کے مطالعوں میں حدیث اور اس کے علوم کو امتیازی اہمیت حاصل ہے۔ اس معزز علمی میدان میں انہوں نے اسلامی لائبریری کو پختہ تصنیفات سے مالامال کیا ہے۔ بعض موضوعات پر قلم اٹھانے والے وہ پہلے مصنف ہیں۔ ان کی تالیفات اپنی خصوصیات ، نقطہ ہائے نظر، اغراض ومقاصد ، تنوع ، مشمولات کی خوبیوں اوراسلوب نگارش وطرز تخاطب کی سحرکاری کے اعتبار سے ممتاز مکتبۂ فکر کی نمائندہ ہیں۔ یہ تصنیفات عقل وخرد کو اپیل کرتی ہیں۔ ان کی بنیاد ٹھوس علمی اصولوں پر ہے۔ جن کو اخلاص وتواضع نے چارچاند لگادیے ہیں۔ یہ تصنیفات علامہ کی شخصیت کا آئینہ ،ان کی ذہنیت کی دلیل اور ان کی اس روحانی شفافیت کی غماز ہیں جس کے طفیل انہوں نے علمی دنیا کو تاب ناک خیالات اور بے مثال فوائد وحصول یا بیوں سے نوازا ہے"۔ (۳)

علامہ کی ایک اور خصوصیت :-

ان کی ایک اور خصوصیت یہ بھی تھی جو ان کے اور دیگر علمائے معاصرین کے درمیان خط فاصل قائم کرتی ہے۔ وہ یہ کہ انہیں زبان اور متعلقہ علوم وفنون پر بھی عبور تھا۔ عربی کے نثرونظم کا اتنا بڑا سرمایہ انہیں محفوظ تھا کہ اس پختگی کے ساتھ بعض پیشہ ورادبا واہل قلم کو بھی محفوظ نہیں ہوتا۔ عربی زبان کے مفردات ولغات اس کے نظائروشواہد کی ساتھ ، قواعد صرف ونحو اختلاف مذاہب کے ساتھ اور مسائل بلاغت اس کے دلائل کے ساتھ یاد تھے۔

استاذ محمد عوامہ نے جو شیخ ابوغدہؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں) اپنے ایک مضمون میں

ایک دلچسپ حکایت نقل کی ہے جس سے اس فن کے حوالے سے علامہ کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے:

" ..... ثانوی مرحلے کے پہلے سال میں جب ہم طالب علم تھے تو ہمارے ایک استاذ نے بیان کیا کہ کچھ لوگوں کے ساتھ وہ دمشق گئے، وہاں ایک مدرس کی سبق میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ اتفاق سے ایک لفظ کے تلفظ یا اعراب (مجھے یاد نہیں رہا) کے متعلق انہیں اشکال ہوا۔ مدرس صاحب نے ایک طالب علم سے کہا کہ " القاموس المحیط" (۴) لے آؤ تو ہمارے استاذ نے جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے فرمایا ! قاموس لانے کی کیا ضرورت ہے یہ رہے شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ جو قاموس گویا ہیں۔ آپ جو چاہیں معلوم کرلیں "۔ (۵)

استاذ محمد عوامہ نے اس واقعہ کے درج کرنے کےبعد یہ اشارہ بھی کردیا ہے کہ ہمارے مذکورہ استاذ شیخ ابوغدہؒ کے ہم خیال نہیں تھے۔ بلکہ انہیں ان سے خدا واسطے کا بیر تھا اس کے باوجود ہوا وہی کہ جادووہ جو سر چڑھ کے بولے۔

بات یہ ہے کہ علامہ نے حصول علم کے لیے شمع کی طرح جلنےاور پروانے کی طرح نچھاور ہونے کا سلیقہ سلف ہی کی طرح سکھا تھا جو خدا کی توفیق اور اس کے لطف خاص کے بغیر ممکن نہیں اسی لیے انہیں علمی دنیا میں وہ نام ومقام حاصل ہوا جو معاصرین میں کم لوگوں کے حصے میں آیا۔ استاذ محمد عوامہ نے ان کی علمی پیاس کے حوالے سے مندرجہ ذیل واقعہ سپرد قلم کیا ہے۔

" علامہ ابوغدہؒ کے نوجوان استاذوں میں سے ایک تھے۔ شیخ محمد سلقینیؒ ایک مرتبہ کچھ دنوں کے لیے انہیں سفر درپیش ہوا۔ انہوں نے سبق کا ناغہ مناسب نہیں سمجھا اس لیے اپنے شاگرد ابوغدہؒ کو مدرسہ خسرویہ میں قائم مقام کرگئے۔ انہوں نے استاذ کی قائم مقامی کا حق ادا کردیا۔ جب شیخ سلقینی سفر سے واپس آئے تو طلبہ نے ان سے پوچھا کہ ! کیا شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ آپ کے شاگرد ہیں تو سلقینیؒ نے بڑے تواضع کے ساتھ فرمایا کہ ! ہاں کبھی ہوا کرتے تھے لیکن اب میں ان کا شاگرد ہوں۔ میں انہیں نحو میں شرح اجرومیہ پڑھایا کرتا تھا اور وہ فن کی اونچے درجے کی کتاب " مغنی اللبیب " سے مطالعہ کر کے آیا کرتے تھے۔ (۷)

نوادر کتب کے حصول کا شوق بے پناہ اور اس سلسلے کے دلچسپ سبق آموز واقعات :-

ذوق علم کے نتیجے میں انہیں کتابوں سے غایت درجہ محبت تھی جو ایک سچے طالب علم کی پختہ علامت ہے۔ نوادر کتب کے حصول، مخطوعات کی ذخیرہ اندوزی کے لیے ہر طرح سے کوشاں رہتے۔ اس سلسلے میں وقت، مال، محنت اور بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔ بعض کتابوں کے مقدموں میں انہوں نے اس سلسلے کے بعض واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مدرس علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب "التصریح بماتواتر فی نزول المسیح" کو انہوں نے کس محنت و جستجو کے بعد پایا اور پھر اس کو اپنی تحقیق انیق کے ساتھ عالم عربی سے شائع کیا اس کا واقعہ خود انھی کی زبانی سنیے:

".... یہ کتاب جو قارئین کے سامنے پیش کی جارہی ہے اس کا حصول میری زندگی کی اہم آرزو تھا، لیکن اس آرزو کا پانا میرے لیے دشوار ثابت ہوا۔ میں مسلسل پندرہ سال سے اس کے ہندوستانی نسخے کے حصول کے لیے کوشاں ہوں۔ مصر میں جو کتابوں کا ملک ہے اپنے چھ سالہ قیام کے دوران میں نے اس کی جستجو کی۔ پھر میں نے اسے مکہ مدینہ اور بغداد نیز دیگر عربی ملکوں کے کتب خانوں میں ڈھونڈا لیکن نہیں ملی۔ ہندوپاک کے بعض علمائے گرامی سے میں نے درخواست کی کہ وہ اپنے ہاں کا چھپا ہوا اس کتاب کا کوئی نسخہ فراہم کردیں۔ انہوں نے قابل شکر کوششیں کیں لیکن انہیں بھی نہیں ملی۔

" چونکہ یہ کتاب اپنے موضوع اور اپنے مصنف کی امامت کے حوالے سے منفرد ہے۔ اس لیے ۱۳۴۴ھ میں طبع ہونے کے ساتھ ہی علماء وطلبہ نے اسے اچک لیا اور بعد میں اس کے کسی نسخے کا حصول مشکل ہوگیا۔ خدا نے جب ہندوپاک کے سفر کا موقع دیا، میں نے وہاں کی لائبریریاں دیکھیں، وہاں اس کی تلاش میں سعی کی لیکن دستیاب نہ ہوسکی۔ ہندوستان سے میں پاکستان آگیا، کراچی میں قیام رہا، وہاں علامہ و محقق جلیل القدر مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی پاکستانی سے ملاقات ہوئی۔ ان کا بڑا کرم ہے کہ انہوں نے اس کتاب کا اپنا محفوظ اور خاص نسخہ مجھے عنایت فرمایا اور خواہش کی کہ عالم عربی میں یہ کتاب ضرور چھپ جائے۔ میں نے اپنے سفر واپسی شبینہ، جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ سے قبل یہ ھدیہ شکر ہے اور قدردانی کے ساتھ قبول کیا۔" (۸)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب " فتح باب العنایہ " کو بھی انہوں نے اپنے مقدمے اور تحقیقات کے ساتھ شائع کیا۔ لیکن اس کے حصول کے لیے انہوں نے کس طرح ملکوں ، شہروں اور گلیوں کی خاک چھانی۔ انہی کے قلم کی زبانی سنیئے :

" تکمیل تعلیم کے لیے میں نے مصر میں چھ سال گزارے۔ جس جس کتب خانے میں گمان ہوتا کہ یہ کتاب وہاں موجود ہوگی میں وہاں جاتا اور اس کے متعلق معلوم کرتا رہا لیکن اس کا کوئی اتا پتا نہ چل سکا۔

" اپنے شہر حلب واپسی پر بھی میں نے ہر اس شہر میں اس کی پیہم تلاش جاری رکھی جہاں مجھے جانے کا اتفاق ہوا اور تمام مکتبات میں اس کو ڈھونڈتا رہا جن میں قدم رکھنے کی نوبت آئی۔ حتیٰ کہ ایک جان کار کتب فروش حمدی سفر جلانی دمشقیؒ سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب روس کے شہر " کازان " میں چھپی تھی لیکن وہ اس وقت کبریت احمر سے زیادہ نادر الوجود ہے جو انہوں نے ناقابل یقین حد تک اونچی قیمت میں علامہ کوثریؒ کو فروخت کیا تھا۔ ان کے کہنے سے مجھے یہ تو معلوم ہوگیا کہ کتاب کس شہر میں طبع ہوئی تھی لیکن ساتھ ہی اس کے حصول کے حوالے سے میں ناامید سا ہوگیا۔

" خدا نے ۱۳۷۶ھ میں جب اپنے گھر کے حج کی توفیق دی اور مکہ مکرمہ کی زیارت سے شرف یاب ہوا تو میں گھوم گھوم کر وہاں کے مکتبات میں اس کتاب کا اتا پتا معلوم کرتا رہا کہ شاید اس دیار سے شہر حرام مکہ مکرمہ کو ہجرت کنندہ کسی صاحب کے ساتھ یہاں آئی ہو، لیکن ناکام رہا۔

" خدائے کریم کی عنایت سے میں مکہ مکرمہ کے ایک معمولی سے بازار کے ایک گوشے میں ایک کتب فروش کی دوکان پر جا پہنچا یعنی شیخ مصطفیٰ بن محمد شنقیطی کی دکان پر میں نے ان سے کچھ کتابیں خریدیں اور مایوسانہ احساس کے ساتھ میں نے ان سے بھی اس کتاب کو دریافت کیا، تو انہوں نے بتایا کہ دو ہفتے قبل میرے پاس اس کا ایک نسخہ تھا جو مجھے بعض بخاریوں کے ترکے سے حاصل ہوئی تھی ۔ میں نے اچھی قیمت پر طاش قند کے ایک بخاری عالم کو بیچ دی ہے۔ مجھے ایسا لگا کہ وہ جھوٹ کہہ رہے ہیں لیکن انہوں نے اس کتاب کا سراپا اس طرح بیان کردیا کہ مجھے کتاب کے سلسلے میں ان کی جان کاری کا یقین ہوگیا اور میں نے باور کرلیا کہ یقیناً یہ مطلوبہ کتاب ہی ہے جس کی تلاش میں میں

زمانۂ دراز سے سرگرداں رہا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اس کتاب کو خریدنے والے عالم طاش قلندی کون ہیں؟ تو انہوں نے انہیں یاد کرنے کی کوشش کے بعد ان کا نام شیخ عنایت اللہ طاش قندی بتایا۔ میں نے ان کی رہائش گاہ، محل عمل یا ملاقات گاہ کے متعلق پوچھا تو لاعلمی کا اظہار کیا کہ اس سلسلے میں کچھ نہیں بتاسکتا۔میں نے کہا تو پھر کس طرح ان کا پتہ معلوم ہوگا؟ کہنے لگے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس وقت مجھے سخت مایوسی ہوئی۔

اس کے بعد علامہ نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کی گلیوں میں چکر لگاتارہا تاآنکہ شیخ عنایت اللہ سے خدانے ملاقات کرادی اور میں نے یہ کتاب ان سے حاصل کرلی۔

علامہ کوگراں قدر کتابوں کے حصول کا اتنا شوق ہوتا کہ وہ بعض کتابوں کے لیے منت مانتے تھے کہ اگر فلاں کتاب مل گئی تو اتنی رکعتیں نماز خدا کے لیے پڑھوں گا۔

وہ لکھتے ہیں کہ ایک کتاب کو خریدنے کے لیے میرے پاس روپے نہیں تھے تو میں نے اپنے والد سے ورثے میں آئے ہوئے ایک قیمتی سامان کو بیچ دیا۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

"اہل علم کی زندگی میں کتاب کو وہ مقام حاصل ہے جو روح کو جسم میں اور صحت مندی کو بدن میں۔

جس کے شعلے نے جلا سینکڑوں فانوس دیئے:-

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ اپنے بہت سارے اور بے شمار علماء وطلبہ کی آنکھوں میں نہ بستے اور دلوں میں نہ سماتے، اگر وہ محض علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع علامہ ہوتے، یا وہ صرف بڑے محقق ومصنف ہوتے، یا زمانہ دراز تک درس دینے والے کامیاب ترین استاذ ہوتے، یاعالم اسلام کے چپے چپے کی سیر کرنے والے اور جہاں دیدہ ہوتے۔ علم دوست وکمال پرستوں کی نگاہ میں جس چیز نے انہیں اتنا محبوب ومطاع بنادیا تھا، وہ صحیح معنٰی میں ان کی علمی وعملی جامعیت تھی کہ کتاب وسنت کے علوم کے دیدہ ورعالم ہونے کے ساتھ ساتھ شیریں اخلاقی، تواضع پسندی، اخلاص ووسیع الظرفی اور السیت مزاجی وملنساری ان کا شیوہ وشعار اور اسوہ وکردار رہی تھی، جس کی وجہ سے ان کے پاس بیٹھنے

ان کو سننے اور ان سے ملنے والے کا دل کھینچتا تھا اور تادم زندگی ان کا اسیر محنت ہوجایا کرتا تھا۔

میں نے پایا ہے اسے اشک سحرگاہی میں
جس درنایاب سے خالی ہے صدف کی آغوش

وہ آنکھوں میں بسے ہوئے اور دلوں میں بچھے ہوئے تھے۔ ان کا تواضع ان کی نرم خوئی ودل جوئی، ان کی شرم گیں وذہانت ریز نگائیں، ان کی جبین سجدہ پیشہ، یادالٰہی سے ان کی زبان ادب شناس، ان کی شیریں گفتاری، باوقار چال، حب الٰہی سے معمور سینہ، خشیت خدا سے لبریز دل دعاء سحرگاہی ونالہ ہائے نیم شبی اور رب شکور کے سامنے مسلسل گریہ وزاری تیز آنسوؤں کی پاکیزہ ونورانی جھری سے نہائی ہوئی ان کی فراخ عربی آنکھیں ان کی سرخ وسپید شاہی شبیہ ان کا سڈول متوازن اور نفیس عربی جسم، پھلوں سے لدی ہوئی شاخ کی طرح ہر چھوٹے بڑے انسان کے لئے ان کی خمیدہ جبینی و خندہ روئی، مجلس درس وتقریر میں اور ہمہ وقت ان کی گل بار وعطر افشاں زبان اور کلیوں کی طرح تبسم ریز ہونٹوں سے نکلتی ہوئی رس گھولتے ہوئے سبک خرام الفاظوں کی موتی کی سی لڑی ہمیشہ یاد رہے گی۔

کچھ حسین یادوں کے اجالے:۔

میں گرم تھا اور میرا مترجم سرد

۳۱ اکتوبر تا ۳ نومبر ۱۹۷۵ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ کا پچاس سالہ جشن منعقد ہوا، ۲ نومبر کی شب میں شیخ ابو غدہؒ کی تقریر تھی۔حدیث وسیرت و مغازی کے گہرے مطالعہ سے تراشیدہ، عمیق فکر اسلامی سے ڈھلی ہوئی اسلامی درد اور دینی ولولوں میں لبی ہوئی اور معانی اور بلاغت سے ردلی ہوئی۔ان کی زبان کا ترجمہ ایک ندوی فاضل کررہے تھے شیخ ہرچند کہ عربی نژاد تھے لیکن علماء برصغیر سے کثرت ارتباط و افادہ و استفادہ اور اس دیار میں باربار کی آمدو رفت کی وجہ سے اردو زبان کو کما حقہ نہ سمجھنے کے باوجود، یہ سمجھ جاتے تھے کہ مترجم سے فلاں بات رہ گئی اور فلاں خیال اپنی ذمہ داری کے ساتھ ادا نہ ہوسکا یا جوش و جذبے کی گل کاری اور افکار خیالات کی نزاکتوں کا احاطہ نہیں ہوسکا

ہے ۔اس سلسلے میں ان کی عالمانہ حس اور محدثانہ ذہانت بھی ان کی رہنمائی کرتی ۔ان کا قیام دیگر عرب مہمانوں کے ساتھ دریائے گومتی کے کنارے حضرت محل پارک کے پہلو میں واقع " اودھ کلارک" ہوٹل میں تھا ۲ ۔نومبر کی صبح کو مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی استاد حدیث و فقہ وتفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء اور راقم الحروف ان سے ملنے گئے ان کی عالمانہ گفتگو و ظریفانہ وادیبانہ گل افشانی سے فائدہ اٹھانے اور لطف اندوز ہونے کا موقع ملا ۔اسی دوران ان کی شب کی تقریر کا تذکرہ چل نکلا تو نہایت بلیغ جملے میں ترجمے کی خامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ **کنت حارا وکان مترجمی باردا** ۔یعنی میں گرم تھا اور میرا ترجمان سرد ۔میں کم و بیش ۱۵ روز کی شبانہ روز کی ان کی مجلس درس و محاضرات وتقریر میں شریک رہا ہوں ۔وہ اگر حدیث پاک، یا اصول حدیث یا کسی موضوع پر درس دیتے تو وہ زیر بحث آنے والے دیگر علوم و فنون پر ایسی فاضلانہ، چشم کشا اور سیر حاصل گفتگو کرتے کہ سننے والے کو محسوس ہوتا کہ شیخ کا اصل موضوع یہی علوم ہیں اور انہی پر انہیں دستگاہ حاصل ہے ۔ان کے درس و محاضرے میں بیٹھ کر ایسا لگتا کہ ہم ایک ایسے خوش سلیقہ گلستان میں بیٹھے محو نظارہ ہیں، جس میں ہر طرح کے خوش نما و دل ربا پھول اپنی جاں فزا خوشبوؤں کے ساتھ قلب ونگاہ کی آسودگی کا سامان فراہم کررہے ہیں ۔ علماء سلف اور ائمہ کرام کی نیز دور آخر میں علامہ انور شاہ کشمیری وغیرہ کی مجالس درس کا تذکرہ سنا اور پڑھا تو تھا لیکن آنکھوں نے ان کی تصویر شیخ ابو غدہ ہی کے درس و تقریر میں دیکھی ۔

علمی کمال اور دینی جمال کی باد بہاری

۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں ،جب کہ راقم الحروف ندوۃ العلماء لکھنؤ میں استاد زبان عربی کی حیثیت سے کام کررہا تھا ، مخدوم گرامی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مد ظلہ العالی کی دعوت پر شیخ ابو غدہ وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے ندوہ تشریف لائے ۔جمعرات ۲۶ جمادی الآخیر تا ۹ رجب ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۳ مئی تا ۵ جون ۱۹۷۹ء ندوہ ہی میں ان کا قیام رہا۔ ذمہ داروں کے اصرار مسلسل کے باوجود انہوں نے شہر کے کسی ہوٹل میں قیام گوارا نہ کیا بلکہ عام ہندوستانی مدرسین کی طرح مئی جون کی شدید گرمی میں وہ اس وقت کے سادے مہمان خانے میں جہاں اس زمانے میں ضروری سامان راحت بھی دستیاب

نہیں تھے علم و علماء کے درمیان اور دینی فضاء میں قیام کو باصرار ترجیح دیا۔
اس موقع سے فخر ہند محدث عصر مولانا حبیب الرحمن اعظمی سے بھی یہاں تشریف لانے اور قیام فرمانے کی گزارش کی گئی تھی جو انہوں نے از راہ نوازش قبول فرماکر شیخ ابو غدہ کے ساتھ طویل قیام فرمایا۔ علم وفضل اور حدیث و اسماء الرجال کے ان دونوں شہہ بازوں کے قران السعدین اور اجتماعی قیام کی وجہ سے ایسا لگتا تھا کہ علم وکمال کی مینہ برس رہی ہے۔ ہر طرف علم وفن کی باتیں، علماء سلف کے قصے، حدیث واسماء الرجال کے تذکرے، علمی نکتے اور لطیفے، مطالعہ و کتب بینی کے مشغلے ان دونوں بزرگوں کی ہمہ وقت کی علمی و مذاکراتی انہماک کی وجہ سے اس طرح قائم ہو گئے تھے جیسے علم وفکر کا بہار آگیا ہو یا فیضان علمی و بخشش آگہی کی باد بہاری چلنے لگی ہو۔
صبح سے بارہ بجے تک کے ہمہ روز درس میں اکثر حضرت مولانا علی میاں، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مد ظلہما اور ندوے کی اونچے درجے کے طلبہ کے علاوہ زیادہ تر اساتذہ بھی شریک ہوتے۔ شیخ ابو غدہ (جو دن میں اصول حدیث اور بطور خاص شروط ائمۂ خمسہ ،بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی نسائی کا درس دیتے اور رات میں اکثر کوئی عام علمی محاضرہ القا فرماتے) کا ابر علم برستا تو ایک ساتھ گوہر زبان وبیان اور علم و آگہی کا یاقوت و مرجان لٹا جاتا اور سامعین کا دامن ایک ہی نشست میں کف باغ بان اور دامن گل فروش سی زیادہ بھرا پرا نظر آنے لگتا۔
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع سے اپنی ڈائری سے ایک پیراگراف نقل کردیا جائے جو راقم نے آج سے کم وبیش ۱۸ سال قبل شب یک شنبہ ۲۹۔۶۔ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۷۔۵۔ ۱۹۷۹ء کو شیخ ابو غدہ کی ایک نشست میں شرکت کے بعد لکھا تھا۔
" ابھی ابھی محدث کبیر علامۂ جلیل شیخ ابو الفتاح استاذ شریعت اسلامی کالج امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض کے محاضرے اور درس میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہوکر واپس ہوا ہوں۔ شیخ علم و عمل کی جامعیت سچے مؤمن کی تواضع، انکساری، بے نفسی اور رقت قلب کے اعتبار سے نہ صرف عرب بلکہ عالم اسلامی کی بے نظیر شخصیت ہیں۔ ہر چند کہ ان کا درس دراصل اصول فقہ، اصول حدیث، اور شروط ائمۂ خمسہ کے موضوع پر ہوا کرتا ہے، لیکن وہ فقہ و تفسیر، ادب ولغت، نحو وصرف، قرات و تجوید، حکمت بیانی

طلاقت لسانی ، لطیف اشاروں اور ماہرانہ رموز و نکات کا جامع ہوا کرتا ہے ۔جس سے درس دہندہ کی سلیقہ مندی ، کثرت علم وسعت مطالعہ، ژرف نگاہی، پختہ مغزی، طول تجربہ، فکر وفن سے گہری مناسبت اور اپنے موضوع پر دیرینہ ادھیڑپن کے ساتھ ساتھ راہ اکتساب علم میں ان کا شب بیداری اور شمع شعاری وپروانہ مزاجی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ نیز ان کی ذہانت، قوت حافظہ، کثرت محفوظات، طلبہ و مستفیدین کے سامنے مواد ومضامین پیش کرنے کے حوالے سے ان کی فن کاری اور چابک دستی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ان سب چیزوں پر مستزاد ان کی شیرین بیانی، شگفتہ سخنی، فصاحت بیانی، بلاغت شناسی حاضر جوابی اور ادب وظرافت کے عناصر سے مرکب ان کی وہ زبان ہے جس کے سامنے بہت سے پیشہ ور عربی ادیبوں اور خطیبوں کی صنعت کاری ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ عرصہ نوسال سے میں ندوے میں مدرس ہوں لیکن اب تک میں نے آنے جانے والے کسی عربی ادیب وخطیب کی زبان میں وہ چاشنی، سلاست، نہرکی روانی،الفاظ کی شوکت، تعبیر کی لذت، طرز ادا کی نزاکت، جملوں کی حلاوت نہیں دیکھی جو میں ابوغدہ کے یہاں کئی روز سے دیکھ رہا ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اتنی بہت سی خوبیوں سے نوازدیتا ہے۔ ان کا درس سنجیدگی ومزاح کا بھی حسین مخلوطہ ہواکرتا ہے۔ علمائے سلف کے مسرت بخش لطیفوں سے مجلس درس کو زعفران زار بنائے رکھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی جب بھی کسی عالم باکمال، زاہد اواب ، محدث جلیل، فقیہ بابصیرت کا تذکرہ کرتے یا ان کے حصول علم کی داستان ان کی زبان پر آجاتی ہے۔ یا راہ علم میں بھوک پیاس سے بے پرواہوکر اور راستے کی درازی وخطرناکی سے بے خوف ہوکر ان کے سفر پر شوق کا حال سناتے ہیں یا ان کی بے نظیر اخلاص اپنے خدا اور اس کے رسولؐ سے ان کی محبت وفنائیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو وہ باربار آب دیدہ وبے قابو ہوجاتے ہیں،اور کئی کئی منٹ تک سلسلۂ درس منقطع ہوجاتا ہے۔

اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرقناک

ہم نے محسوس کیاہے کہ وہ اخلاص ووفا،رقت قلب ، علم وعمل، بے نفسی وخاکساری حیاوخجالت، ایمان ویقین، گدازی ونرم خوئی ، دینی صلابت اور ایمانی حرارت کی ایک جیتی

جاگتی تصویر ہیں۔ یہ خصائل اب کبریت احمر کی طرح خواص و علماء میں بھی کم یاب ہیں۔ عوام و جہلا کا کیا ذکر"

منگل ۹ رجب ۱۳۹۹ھ مطابق ۵ جون ۱۹۷۹ء کو آٹھ بجے صبح لکھنئو کے ہوائی اڈہ پر انہیں طلبہ واساتذہ کی بڑی تعداد نے جس خلوص و محبت و عقیدت کے ساتھ رخصت کیا تھا اس کی ہلکی سی جھلک میں نے اپنی ڈائری میں بروز جمعہ ۱۲ / ۷ / ۱۳۹۹ھ ۸ جون ۱۹۷۹ کو ریکارڈ کرلیا تھا۔ اس کی چند سطریں نذر ناظرین کررہا ہوں:

"۹ رجب بروز منگل لکھنئو کے ہوائی اڈے پر عالم جلیل، مومن مخلص اور محدث و محقق عبدالفتاح بن محمد بن بشیر ابوغدہ حلبی (ولادت ۱۹۱۷ء) کو باچشم ہائے نم و بادل ہائے پرغم طلبہ واساتذہ کے جم غفیر نے الوداع کیا، بعض طلبہ دفور جذبات سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ بڑی مشکل سے انہیں دلاسا دلایا جاسکا۔ یہاں اپنی نو(۹) سالہ مدرسی کے دوران میں نے پچاسوں علماء و فضلا کو استقبال والوداع کہتے ہوئے دیکھا ہے لیکن کسی کے تئیں یہ والہانہ عقیدت و محبت دیکھنے کو نہ ملی۔ یہاں ۱۲ - ۱۳ روزہ قیام کے دوران، طلبہ واساتذہ نے جہاں ان کے گوناگوں علم و آگہی اور فکر و نظر سے استفادہ کیا وہیں لاشعوری طور پر ان کی روحانیت و ربانیت کے شیشۂ جام سے بھی فیض یاب ہوئے۔ ایمان واخلاص اور ہمت وعزیمت پروان چڑھی، دلوں کا زنگ دور ہوا، عقل و خرد کو پاکیزگی ملی۔ کتب بینی، مطالعہ و علم کوشی، شب و روز علمی انہماک اور افادے و استفادے کے بغیر کسی لمحہ کے ضیاع سے گریز اور تمام اوقات لیل و نہار کو علمی مباحثے، سوالات کے جوابات، علمی مسائل کی کھود کرید، کسی حاشیے کی تحقیق، کسی مغالطے کی تصحیح کسی مضمون کی تیاری و تسوید میں ان کی عجیب و غریب مصروفیات سے (جس کا قصہ ہم دور آخر میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حضرت حکیم الامت تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مناظر احسن گیلانی، علامہ سید سلیمان ندوی وغیرہ کے متعلق سنتے آئے تھے) ایسا لگتا تھا کہ علم کا سوق عکاظ اور فکر و نظر کا ذوالمجنہ و مجاز قائم ہوگیا ہے، اور امام ابوحنیفہ و امام شافعی ایسے امام عظیم کے شاگرد یا شاگرد کے شاگرد نے تعلیم و تدریس کی بساط بچھادی ہے"۔

ہندوستان میں علم کا شجر سایہ دار:-

۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں راقم الحروف کو ۴ - ۵ مہینے ریاض وحجاز میں قیام اور حرمین شریفین کی زیارت کی اولین مرتبہ سعادت حاصل ہوئی۔ جس کا عنوان جامعۃ الملک سعود ریاض میں عربی زبان کی تدریس کے سلسلے کے ایک پروگرام میں شرکت کرنی تھی۔ اس موقع سے جہاں متعدد علماء وادبائے عرب سے نیاز شرف ملاقات وتعارف حاصل ہوا وہیں علامہ ابوغدہ سے بھی ایک روز تادیر اکتساب فیض کی فرصت ملی۔

راقم الحروف نے اس ملاقات کا تذکرہ اپنے سفر نامے بعنوان "تین مہینے سعودی عرب اور جوار حرمین میں" کی ساتویں قسط شائع شدہ الداعی مورخہ ۴ - ۱۹ ربیع الاول مطابق ۱۰ - ۲۵ دسمبر ۱۹۸۳ء میں مختصر طور پر کیا تھا۔ اس کے چند جملے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

"شب جمعہ وشنبہ ۲۹ / رجب ویکم شعبان ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۲ - ۱۳ مئی ۱۹۸۳ء کو چند احباب کے ساتھ علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ استاذ (کلیہ اصول الدین) جامعہ امام محمد بن سعود ریاض سے ان کی قیام گاہ واقع میدان دخنۃ ریاض میں شرف ملاقات واستفادہ حاصل ہوا۔ شیخ علمائے ہند کے بڑے قدرداں اور علوم کتاب وسنت میں ان کی گیرائی وگہرائی کے اور اسلامی علوم میں ان کے متفردانہ رسوخ کے بے حد قائل ہیں، شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی، علامہ کشمیری، مولانا بنوری اور مولانا بدرعالم میرٹھی وغیرہ کے بالخصوص بڑے مداح ہیں اور ان کے علمی ترکے سے استفادے کا پیہم تعلق رکھتے ہیں۔ دیوبند اور اس کے مکتب فکر کو ہندی مسلمانوں کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں، اسی لیے جیسے مجلس جمی شیخ نے دارالعلوم دیوبند کا احوال معلوم کرنا شروع کردیا اور فرمایا کہ یہ ہندوستان میں "علم کا شجر سایہ دار" ہے۔ اس نے فکر اسلامی اور ثقافت دینی کی بے حساب خدمت کی ہے۔ ہم اس کی بقاوترقی اور مزید فیض رسانی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ شیخ نے طلبہ واساتذہ کی تعداد، نئی تعمیرات اور کتب خانے میں موجود مخطوطات کی نئی فہرست کی تیاری کی بابت معلوم کیا۔ جب ہم نے یہ کہا کہ ہم لوگ اور اساتذہ وطلبہ دارالعلوم آپ سے حد درجہ محبت وعقیدت رکھتے ہیں تو فرمایا کہ مجھے بھی دارالعلوم سے ناقابل بیان محبت ہے اور میں تو اس کے علماء ومشائخ کا خوشہ چیں رہا ہوں۔ اس موقع سے شیخ نے اپنی ایک غلط فہمی کا اظہار فرمایا کہ آپ کے ہاں عربی

زبان وادب کے ایک فاضل ہیں، میں ان کا بہت مداح ہوں لیکن معلوم ہوا ہے کہ وہ دارالعلوم کو چھوڑ کر سعودی سفارت خانے میں منتقل ہوگئے ہیں، ان کا نام مولانا وحیدالزمان کیرانوی ہے۔ عرض کیا گیا کہ شیخ آپ کو اس سے غلط فہمی ہوئی ہوگی کہ ان کے بھائی مولانا عمید الزمان کیرانوی عرصے سے وہاں ملازم ہیں اور نام کے تشابہ اور کیرانوی کے اشتراک سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا۔ فرمایا الحمدللہ! مجھے اس غلط فہمی سے بے حد تکلیف تھی، وہ بڑے ذہین، قادر الکلام اور عربی کے باصلاحیت اہل قلم ہیں انہیں دارالعلوم ہی میں رہنا چاہیئے، ہندوستان واپسی پر انہیں میرا سلام ضرور پہنچا دیجئے۔

مولانا بدرعالم میرٹھی اور ایک عرب بدو کا واقعہ :-

" اس موقع سے شیخ نے اپنی تحقیق کے ساتھ طبع شدہ ابن قیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ ھ کی کتاب " المنار المنیف فی الصحیح والضعیف " حقیر کو ہدیہ کی، اپنی معہودہ تواضع ومحبت کے ساتھ، ناچیز نے ان سے ہدیے کے الفاظ اپنے قلم سے تحریر فرمادینے کی درخواست کی تو انہوں نے صحیح اور مکمل نام معلوم کیا۔ راقم نے (نورعالم خلیل الامینی) بتایا تو گراں قدر دعادی کہ خدا آپ کو ہدایت کا نور اور تاریکیوں کو کافور کرنے والا بنائے۔ پھر ایک دلچسپ قصہ سنایا کہ آپ لوگ علامہ بدرعالم میرٹھی کو تو اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ وہ دارالعلوم کے ایک ذی علم فاضل اور ہندوستان کے کبار علماء میں تھے۔ ایک روز وہ مسجد نبویؐ میں مواجہہ شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عربی بدو آیا اس نے صلاۃ وسلام کے بعد ان کو سلام کیا اور ان سے متعارف ہونا چاہا اور بدویانہ لہجے میں پوچھا کہ تمھارا نام کیا ہے ؟ آپ نے " بدرعالم " بتایا تو اس نے نازواعتماد کے عجیب وغریب ایمان افروز ومحبت فروز لہجے میں کہا ! نہیں تم بدرعالم (دنیا کا ماہ تمام) نہیں ہوسکتے۔ دنیا کا ماہ تمام اور بدرعالم تو یہ ہیں۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، مولانا بدرعالم پر اس کا شف حقیقت جملے سے جذب ومستی کی کیفیت طاری ہوگئی وہ دیر تک سر دھنتے اور واہ واہ کرتے رہے "۔

ازدل خیزد، بردل ریزد:-

۲۹ - ۳۱ مارچ ۱۹۸۵ ء کو دارالعلوم حیدرآباد میں " حدیث وسیرت نبویؐ " کے

موضوع پر عالمی مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی، تو اس میں امام حرم شیخ عبدالرحمن السدلسی اور دیگر عربی وفود کے ساتھ، ہم لوگوں کی خوش قسمتی سے شیخ ابوغدہؒ بھی تشریف لاکر مجلس کی رونق ووقار کا سبب بنے، ایک نشست میں سیرت نبویؐ کے موضوع پر ان کی پر مغز وبرجستہ تقریر ہوئی، عربی زبان کو سمجھنے اور نہ سمجھنے والے دونوں طرح کے سامعین، مقرر کے حسن بیان، فصاحت وبلاغت کے عطر وعنبر سے دھلی ہوئی اور حب نبویؐ سے منور زبان سے حد درجہ متاثر ہوئے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ان کی تقریر برجستہ اور اچانک ہوگی ورنہ ٹیپ کرنے کا انتظام ضرور کرتا۔ تقریر کے بعد ان سے ملنے کو بڑھا، میں نے علیک سلیک کے بعد شیخ سے پوچھا کہ شاید آپ مجھے نہیں پہچان سکے ہوں گے فرمایا!

" ومن الذی لایعرفک من المثقفین الذین یتابعون الداعی "۔

" الداعی " کو پابندی سے پڑھنے والا کون لکھا پڑھا آدمی ہوگا جو آپ کو نہ جانے ؟ پھر اپنے ساتھ اپنی قیام گاہ چلنے کا حکم فرمایا اسطرح اپنے کئی احباب کے ساتھ ڈیڑھ دو گھنٹے تک ان کی بزم منور سے بہرہ یاب ہونے کا موقع ملا۔

دارالعلوم دیوبند کی ختم نبوت کانفرنس :۔

۲۴ - ۲۶ / صفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۹ - ۳۱ / اکتوبر ۱۹۸۶ء کو دارالعلوم دیوبند نے عالمی مؤتمر برائے تحفظ ختم نبوت کے انعقاد کا فیصلہ کیا تو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے اس وقت کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (حال نائب صدر مجلس شوریٰ ، سعودی عربیہ) کو مو تمر کے افتتاح کے لیے اور علامہ ابوغدہ کو اس کی صدارت کے لیے موعو کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے راقم الحروف نے دیگر اور بھی عرب فضلا کو خطوط لکھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بخوشی دعوت کو قبول فرمایا لیکن سابقہ مشاغل کی وجہ سے ۳۱ اکتوبر کی نشست میں رونق افروز ہوسکے اور گراں قدر خطاب سے جلسے کی معتبریت میں اضافہ فرمایا۔ ان کی مکمل تقریر اور دارالعلوم کی طرف سے ان کو دیے گئے سپاس نامے کا متن الداعی کے خصوصی شمارہ " ختم نبوت " مورخہ ۱۰، ۲۵ نومبر و ۱۰، ۲۵ دسمبر ۱۹۸۶ء کے مشترکہ شمارہ میں پڑھا جاسکتا ہے۔

شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی پہلے سے طے شدہ ناگزیر مصروفیات کی وجہ سے شریک

مؤتمر نہ ہوسکے جس کا اظہار انہوں نے مہتمم صاحب کے نام معذرت نامے میں کیا تھا۔ ان کا یہ مکتوب گرامی ان کی تقریر ہی طرح ان کی شگفتہ نگاری اور ان کی انشاو تحریر کا بہترین نمونہ ہے۔ اردو ترجمے میں چونکہ اس کی خوبیوں کو کماحقہ منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اسے قلم انداز کیا جاتا ہے، الداعی کے ختم نبوت نمبر میں اس کا مکمل عربی متن محفوظ ہے۔ وہاں دیکھا جاسکتا ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کی تیسری عمومی اسلامی کانفرنس اور لازوال مقدس وبابرکت یادیں:۔

حیدرآباد کی ملاقات کے بعد طویل عرصے تک شیخ کی زیارت سے محروم رہا تاآنکہ کہ ۱۸ - ۲۲ صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۱ - ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو رابطۃ عالم اسلامی نے مکہ مکرمہ میں تیسری عمومی اسلامی کانفرنس منعقد کی جس میں دنیا کے سات سو سے زیادہ علماو مفکرین اور اہل علم وصحافت مدعو تھے۔ ہندوستان سے بھی مدعوین کی ایک قابل لحاظ فہرست تھی جن میں سرفہرست رابطے کے رکن تاسیسی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ افراد میں راقم الحروف اور مولانا سید اسعدمدنی مدظلہ بھی مدعو تھے۔

رابطے نے مہمانوں کے قیام کے لیے ہوٹل انٹرکانٹینینٹل (جس کے قاعۃ التضامن من الاسلامی اور سلامی میں موتمر کے تمام پروگرام ہوئے) جو حرم سے خاصے فاصلے پر ہے۔ نیز فندق الجیاد میں انتظام کیا تھا، یہ ہوٹل حرم پاک سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھا، خوش قسمتی سے راقم الحروف کو حرم پاک سے متصل اسی ہوٹل میں جگہ ملی جس سے کعبۃ اللہ کا باربار طواف اور حرم میں پنج وقتہ نماز کی ادائیگی میں سہولت رہی فالحمد اور علی ذلک۔

اتفاق سے اسی ہوٹل میں شیخ ابوغدہ کی فرودگاہ بھی تھی اور موتمرگاہ آتے جاتے ہوئے اکثرایک ہی بس یا کار میں جگہ مل جاتی تھی۔ میرے لیے یہ انتہائی سعادت کی بات تھی کہ خدا کے اس مقدس ترین شہر اور خانہ خدا کے پڑوس میں ہونے والی اس کانفرنس کے طفیل میں بڑے بڑے علماء ودانش وروں کے ساتھ ساتھ شیخ ابوغدہ ایسے علاقہ یگانہ وخدارسیدہ اور محب رسول وعاشق علم وعلماء کی طویل صحبت اور پیہم ملاقاتوں کی توفیق بخشی۔ فرصت کے اوقات میں بھی اپنے بعض احباب کے ساتھ ان کی

خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کے بحر علم و کمال کی موج ہائے بے پناہ کا تماشاہی سہی دیکھ کر دل کو فرحت اور دماغ کو لطف ملتا۔

حیف کہ اس کے بعد شیخ سے کبھی ملاقات کی سعادت حاصل نہ ہوسکی، کئی بار ریاض جانا ہوا لیکن میری حاضری کے وقت وہ اتفاقاً وہاں موجود نہ ہوتے کسی علمی اور ضروری سفر پر ہوتے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ :۔

حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند(مولانا مرغوب الرحمن صاحب مدظلہ) کا برابر اصرار رہا اور ہم اساتذہ دارالعلوم کی خواہش بے پناہ بھی کہ شیخ کو دارالعلوم میں کسی موقع سے ایک دوماہ کے لیے بلایاجائے تاکہ طلبہ واساتذہ ان سے استفادہ کرکے اپنے مشائخ واکابر سے فیض یاب ہونے کی یادتازہ کرسکیں۔ لیکن ہم لوگ یہ سوچتے ہی رہے، آج کل کرتے کرتے وقت بہت آگے نکل گیا اور شیخ کی عمر عزیز کا قافلہ سبک خرام رواں دواں اپنی منزل کو جالیا۔ وقت کس کا انتظار کرتا ہے؟ اور لیل ونہار کی گردش کس کیلئے تھمتی ہے؟ رہے نام اللہ کا۔

خدا انھیں صلحاواتقیااور اپنے برگزیدہ انبیاء کے ساتھ جنت الفردوس کا مکیں بنائے اور ان کے تمام اعزاواقربا، تلامذہ و محبین ، متعارفین اور ان کے لیے دعاکنندہ کو صبر جمیل دے اور اجر جزیل سے نوازے۔ اے خدا ہم تجھی سے سہارا لیتے اور تیری طرف رجوع ہوتے ہیں اور تیری ہی حضور میں ہمیں جانا ہے۔ خدا کا درودوسلام اور رحمت وبرکت نازل ہو۔ ہمارے حضرت ہمارے نبی ہمارے شفیع محمد پر، ان کی آل واولاد پر اور ان کے تمام اصحاب پر، ساری تعریفیں صرف سارے جہان کے پالن ہار کے لیے ہیں۔

علامہ عبدالفتاح ابوغدہ کی اہم تالیفات وتحقیقات

تصنیف کردہ کتابیں :۔

صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل / ۴ ایڈیشن

۲). العلماء العزاب الذین آثروا العلم علی الزواج / ۴ ایڈیشن

۳). قیمۃ الزمن عندالعلماء / ۶ ایڈیشن

۴). الرسول المعلم واسالیبہ فی التعلیم

۵). لمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث / ۲ ایڈیشن

۶). امراء المومنین فی الحدیث

۷). الاسناد من الدین ومعہ صفحۃ مشرقۃ من تاریخ سماع الحدیث عندالمحدثین

۸). السنۃ النبویۃ وبیان مدلولھاالشرعی

۹). تحقیق اسمی الصحیحین واسم جامع الترمذی

۱۰). منہج السلف فی السؤال عن العلم وفی تعلیم مالقع ومالم یقع

۱۱). من ادب الاسلام

۱۲). نماذج من رسائل ائمۃ السلف وادبھم العلمی

۱۳). کلمات فی کشف اباطیل وافتراء ات

۱۴). مسئالۃ خلق القرآن واثرھافی صفوف الرواۃ والمحدثین وکتب الجرح والتعدیل۔

تحقیق کردہ کتابیں:۔

۱). الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل / علامہ عبدالحی فرنگی محلی / ۳ ایڈیشن

۲). الاجوبۃ الفاضلۃ الاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ / علامہ فرنگی محلی / ۲ ایڈیشن

۳). تحفۃ الاخیار باحیاء سنۃ سیدالابرار / علامہ فرنگی محلی

۴). نخبۃ الانظار علی تحفۃ الاخیار / علامہ فرنگی محلی

۵). المنار المنیف فی الصحیح والضعیف / امام ابن قیم جوزیہ / ۵ ایڈیشن

۶). المصنوع فی معرفۃ الحدیث / امام علی قاری / ۳ ایڈیشن

۷). قواعدفی علوم الحدیث / شیخ ظفراحمد تھانوی / ۶ ایڈیشن

۸)۔ قاعدۃ فی الجرح والتعدیل / تاج الدین سبکی / ۵ ایڈیشن
۹)۔ المتکلمون فی الرجال / حافظ سخاوی / ۴ ایڈیشن
۱۰)۔ ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل / حافظ ذہبی
۱۱)۔ الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث / حافظ ذہبی / ۲ ایڈیشن
۱۲)۔ قفر الاثر فی صفو علم الاثر / ابن حنبلی
۱۳)۔ لغۃ الاریب فی مصطلح آثار الجبیب / حافظ زبیدی
۱۴)۔ جواب الحافظ المنذری عن اسئلۃ فی الجرح والتعدیل۔
۱۵)۔ توجیہ النظر الیٰ اصول الاثر / شیخ طاہری الجزائری۔
۱۶)۔ ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی / علامہ فرنگی محلی۔
۱۷)۔ کشف الالتباس عما اوردہ الامام البخاری علیٰ بعض الناس / الغنیمی
۱۸)۔ مکانۃ الامام ابی حنیفۃ فی الحدیث / مولانا نعمانی۔
۱۹)۔ التبیان لبعض المباحث المتعلقۃ بالقرآن / علامہ الجزائری۔
۲۰)۔ تصحیح الکتب و صنع الفہارس المعجمۃ / علامہ احمد شاکر
۲۱)۔ تحفۃ النسال فی فضل السواک / علامہ میدانی۔
۲۲)۔ العقیدۃ الاسلامیہ التی ینشاء علیھا الصغار / ابو زید قیروانی
۲۳)۔ الحلال والحرام وبعض قواعد ھما فی المعاملات المالیۃ / شیخ الاسلام ابن تیمیہ
۲۴)۔ رسالۃ المسترشدین / امام حارث محاسبی / ۷ ایڈیشن
۲۵)۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح / علامہ محمد انور شاہ کشمیری / ۵ ایڈیشن
۲۶)۔ الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام وتصرفات القاضی والامام / امام قرافی / ۲ ایڈیشن
۲۷)۔ الترقیم وعلاماتہ / احمد زکی پاشا
۲۸)۔ سباحۃ الفکر بالجھر بالذکر / علامہ فرنگی محلی

۲۹). قصیدہ "عنوان الحکم" لابی الفتح البستی

۳۰). رسالۃ الالفۃ بین المسلمین / امام ابن تیمیہ ومعھا رسالۃ فی الامامۃ / امام ابن حزم ظاہری

۳۱). اقامۃ الحجۃ علی ان الاکثار من التعبد لیس بدعۃ / علامہ فرنگی محلی

۳۲). فتح باب العنایۃ بشرح کتاب النقایہ "فقہ حنفی" / ملا علی قاری

۳۳). فقہ اھل العراق وحدیثھم / علامہ زاہد کوثری

۳۴). خلاصۃ تھذیب الکمال فی اسماء الرجال / حافظ خزرجی

حواشی:-

۱). اخوان المسلمون، سیریا کا تعزیتی بیان، المجتمع کویت، شمارہ ۱۸ / ۱۰ / ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۵ / ۲ / ۱۹۹۷ء

۲). اہم تصنیفات و تحقیقات کی ایک فہرست مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳). مضمون پر علامہ ابوغدہؒ از استاذ عبدالوہاب بن ابراہیم ابوسلیمان، عکاظ، جدہ، شمارہ سہ شنبہ ۱۸ شوال ۱۴۱۷ھ / ۲۵ فروری ۱۹۹۷ء

۴). علامہ ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (۷۳۰ - ۸۱۷ھ / ۱۳۲۹ - ۱۴۱۴ء) کی مشہور عربی لغت جس کی علامہ مرتضیٰ زبیدی (۱۱۴۵ - ۱۲۰۴ھ / ۱۷۳۲ - ۱۷۹۰ء) نے تاج العروس من جواہر القاموس کے نام سے شرح لکھی تھی جو عربی زبان کی شہرہ آفاق لغات میں سے ایک ہے اور اپنے خصائص کے اعتبار سے فائق۔

۵). مضمون شیخ محمد عوامہ بر علامہ ابوغدہ، شائع شدہ روزنامہ عکاظ، جدہ، سعودی عربیہ، شمارہ سہ شنبہ ۱۱ / ۱۰ / ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۹۷ء

۶). پیچھے گزر چکا ہے کہ شہر حلب کے اس مدرسے میں شیخ ابوغدہؒ نے بھی تعلیم حاصل کی تھی اور اب یہ مدرسہ ثانویہ شرعیہ کے نام سے معروف ہے۔

۷). شیخ محمد عوامہ کا مذکورہ مضمون

۸). کتاب مذکورہ جلد نمبر ۱، ص ۸ - ۹

۱۰). کتاب صفحات من صبر العلماء، ص ۲۷۹

۱۱). حوالہ سابق

۱۲). " " ص ۲۵۶

مصباح احسن دسنوی

مطالعہ کی افادیت

حیات انسانی میں مطالعہ ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ مطالعہ ایک بہترین صحت مند عادت ہے یہ بہترین شریفانہ ہی نہیں بلکہ حکیمانہ عمل ہے۔ مطالعہ ہی سے انسانی سیرت و کردار کی تعمیر و ترقی ہوتی ہے مطالعہ تنہائی میں انسانوں کا اچھا ساتھی اور بہترین دوست ہے اس کے ہی ذریعہ آدمی کے اندر معاملہ فہمی اور بڑے بڑے مسائل سے نپٹنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور وہ بڑے بڑے کارنامے بحسن وخوبی انجام دیتا ہے۔ اس وقت علم کے حصول کے لیے دنیا میں جتنے ذرائع موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ موثر مطالعہ کتب ہے کتابوں کے مطالعہ سے انسان تخیلات، عجائبات و آثار کا اہم سفر کرتا ہے۔ مطالعہ کی کثرت سے فکر وعمل کے سوتے ابل پڑتے ہیں۔ اور عمدہ فکر وعمل کی صلاحیت پیدا ہوتی سوکھی زند گی میں نکھار آتا ہے اور پس مژدہ چیزوں پر سرور انبساط کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ مطالعہ کتب نے ہی قوموں میں ہلچل پیدا کی ہے انقلاب برپا کیا ہے اور ظلم وستم کو نیست ونابود کرنے میں بھی مطالعہ نے اہم رول ادا کیا ہے۔

ماضی میں مسلمانوں کی جو ترقی ہوئی علمی مطالعہ کے ذریعہ ہی ہوئی جس کی وجہ سے انہوں نے ہر شعبہ حیات میں نئی نئی ایجادات اور انکشافات کئے جس کی وجہ سے ہر شعبہ حیات میں ساری دنیا میں بلند مقام حاصل کیا۔ ماضی میں مسلمان مطالعہ کتب کا بہت زیادہ شوق رکھتے تھے۔ مطالعہ کے لیے مسجدیں ایک مدرسہ اور ایک مکتب خانہ ضرور ہوتا تھا اور ہر شخص کی بلاامتیاز رسائی ان کتب خانوں تک ہوتی تھی۔ کتب خانوں کے لیے مخصوص کمرے تھے جہاں بیٹھ کر پڑھنے کا انتظام ہوتا تھا افسوس ہے کہ آج کے مسلمان مطالعہ سے بالکل غافل ہیں بلکہ مطالعہ کو بیکار مشغلہ سمجھتے ہیں جب کہ قرآن وحدیث سے بھی اس کی بہت اہمیت معلوم ہوتی ہے خود قرآن وحدیث نے اس کی طرف کافی ترغیب دلائی ہے۔ اور لوگوں

کو متنبہ کیا ہے اگر ہم کو اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا ہے تو تحقیق و تنقید تاریخ سیاست، شاعری، فلسفہ، صحافت، طب، سائنس وغیرہ کے مطالعہ اور پھر دیکھئے کہ کھویا ہوا مقام حاصل ہوتا ہے یا نہیں، میں اس سلسلے میں ایک جرمنی کی مثال پیش کرتا ہوں۔ جرمنی کی ایک مشہور لائبریری میں داخل ہونے والا پہلا اور نکلنے والا آخری شخص کارل مارکس ہوتا تھا۔ کاش مسلمانوں میں بھی ایسی جماعت مطالعہ کرنے والی پیدا ہو جائے اسی مطالعہ کتب کے نتیجہ میں ابن کثیر، ابن تیمیہ، امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی، علامہ شبلی، حافظ تحمل حسین دسنوی، علامہ سید سلیمان ندوی، حالی، سرسید، غالب، حسرت موہانی، علامہ اقبال، ابوظفر ندوی دسنوی، مولانا مودودی، سید قطب، امام حسن البنا شہید وغیرہ اور ان جیسی شخصیات پیدا ہوئی ہیں۔ ان شخصیتوں نے اپنی محنت جدوجہد سے عوام و خواص میں بلند مقام حاصل کیا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق تحریر فرماتے ہیں۔ (۱) گھٹیا کتابوں کا مطالعہ گنواروں کے ساتھ رہنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ (۲) گھٹیا کتاب پڑھنے کے بعد ہم اس لائق نہیں رہ جاتے کہ اچھی باتوں کو اپنے ذہن میں جگہ دے سکیں۔ (۳) گھٹیا کتابوں کا مطالعہ کرنا گویا اچھی کتابوں کا خون کرنا ہے محض فیشن اور نفس کی تسکین کے لیے پڑھنا بڑی حماقت ہے یونہی بلاوجہ ورق گردانی کرنا ذہنی آوارگی ہے (۴) لکھنے والے نے جس جانفشانی سے کتاب لکھی ہے پڑھنے والا گویا اس کتاب کو پڑھ کر مصنف کا قرض چکا دیتا ہے۔

"مشہور شاعر متنبی اپنے قصیدہ میں کہتا ہے کہ زمانہ میں بہترین ہمدم کتاب ہے۔" اپنے دور کا ایک ممتاز عالم حافظ کہتا ہے۔ جب تک آپ چاہیں کتاب خاموش رہتی ہے جب آپ بات چیت کرنا چاہیں تو وہ فصاحت سے بولنے لگتی ہے اگر آپ کسی کام میں مصروف ہیں تو وہ خلل انداز نہیں ہوتی اگر آپ تنہائی محسوس کریں تو وہ آپ کا ایک شفیق ساتھی بن جاتی ہے۔ وہ ایک ایسا دوست ہے جو آپ کو کبھی دھوکہ نہیں دیتا کبھی چاپلوسی نہیں کرتا اور کبھی آپ سے اکتاتا نہیں ہے۔"

مشہور سائنس داں بلٹن کا قول ہے "کہ اچھی کتابوں کا گلا گھونٹنا ایسا ہی ہے جیسے کسی انسان کا گلا گھونٹنا، عمدہ کتاب نے انسانوں کے اخلاق و طبائع آراء پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے اس نے عظیم الشان انقلاب برپا کیا ہے۔ اس نے بہت سے مردہ دلوں کو زندہ دل بنادیا۔ غافلوں کو ہوشیار کردیا بہت سی قوموں میں انسانیت کی روح پھونک دی۔ یاد رکھیں کہ آج مغربی ممالک ریسرچ و تحقیق میں اپنی تمام تر قوتیں صرف کررہے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے اس ریسرچ اور تحقیق و ایجاداتی کام وہ اپنا مقام حاصل کرتے جارہے ہیں۔ صاف طور سے آپ سے کہتا ہوں کہ خدارا آپ بھی اپنے اندر تبدیلی لائیں۔

دار الافتاء

حج کے متعلق چند سوالات

(حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب دامت برکاتہم مفتی دار العلوم حقانیہ)

استفتاء

صورت احوال یہ ہے کہ ہم خادمان حرم شریف آں جناب کی خدمت میں مندرجہ ذیل گزارشات پیش کرتے ہیں۔ امید ہے کہ آں جناب ان سوالات کے جوابات تفصیل سے ارسال فرمائیں گے۔ کیونکہ تمام خادمان حرم شریف کو ان مسائل کے بارے میں کافی تشویش ہے۔

۱۔۔۔ تقریباً سات سو افراد نے اسلام آباد سے احرام نہیں باندھا کیونکہ کمپنی والوں نے احرام باندھنے کی اجازت نہیں دی۔ یہاں کمپنی والوں نے تیسرے دن ہمیں عمرے کی اجازت دے دی۔ کیونکہ ہمارا اپنا اختیار نہیں تھا۔ کیا ہم پر دم واجب ہے یا نہیں۔

۲۔۔۔ کمپنی والے ہمیں مدینہ منورہ زیارت کے لئے لے گئے۔ واپسی پر ہم نے احرام باندھا اور عمرہ ادا کیا یہ حج افراد ہے یا تمتع؟ عمرہ شوال میں ادا کیا

۳۔۔۔ بعض افراد نے احرام نہیں باندھا اور مدینہ سے شوال میں واپسی پر عمرہ نہیں کیا کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم نے احرام باندھا تو پھر ہم پر قربانی واجب ہو گی۔ کیا ان افراد پر دم واجب ہو گیا یا نہیں

۴۔۔۔ جن لوگوں نے مدینہ سے آتے ہوئے عمرہ کیا ان کا کونسا حج ہو گا اور جن لوگوں نے احرام نہیں باندھا تو ان پر کونسا حج واجب ہو گا

۵۔۔۔ کیا خادمان حرم شریف پر قربانی واجب ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہاں تو ہم چار مہینے کے لئے آئے ہیں

۶۔۔۔ اگر کسی پر دم واجب ہو گیا اور وہ غریب ہے تو وہ متبادل مسئلے کے مطابق کیا کرے گا

۷۔۔۔ A شفٹ صبح ۶ بجے سے لیکر ڈھائی بجے ظہر تک حرم شریف میں ڈیوٹی کرتے ہیں وہ کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں۔

B شفٹ ڈھائی بجے دن سے لیکر رات ساڑھے دس بجے تک ہوتی ہے وہ کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں؟

C شفٹ ساڑھے دس بجے رات سے لے کر صبح چھ بجے تک ہوتی ہے وہ کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں؟

برائے مہربانی ان سوالات کے جوابات جلد از جلد بھجوا کر ممنون فرماویں

آپ کا تابع فرمان شاگرد

قاری صادق سید مکہ مکرمہ

باسمہ تعالیٰ

الجواب

ا۔ بغیر احرام کے دخول حرم سخت گناہ ہے اور ایسی صورت میں توبہ اور آفاق کی کسی میقات پر واپس جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھنا واجب ہے اگر واپس نہ ہوا اور وہیں سے احرام باندھا تو گنہگار ہوگا اور دم واجب ہوگا البتہ اگر اسی سال آفاق کی کسی بھی میقات پر جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا۔ یا حرم میں احرام باندھا مگر طواف کا ایک شوط پورا کرنے سے قبل کسی میقات پر جاکر تلبیہ کہہ کر حج یا عمرہ کرلیا تو دم ساقط ہوگا اس حج یا عمرہ میں بدون احرام تجاوز کی وجہ سے واجب کی ادائیگی کی نیت ضروری نہیں ہے بلکہ حج یا عمرہ نفل یا نذر یا حج فرض، جو نیت بھی کرے گا اس سے بدون احرام تجاوز کا واجب ادا ہوجائے گا اور اس سال آفاق کی کسی میقات سے حج یا عمرہ نہیں کیا بلکہ دوسرے سال کیا تو دم ساقط نہ ہوگا البتہ تجاوز کی وجہ سے جو نسک واجب ہوا تھا وہ ادا ہوجائے گا اگرچہ نفل یا نذر یا فرض کی نیت کی ہو۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ ولو دخل آفاقی مکة بغیر احرام ثم رجع الی المیقات فی تلک السنة واحرم بحجة الاسلام سقط عنه ما کان واجبا بالمجاوزة ودخول مکة بغیر احرام عندنا وان لم یخرج من مکة حتیٰ مضت السنة ثم خرج الی المیقات فی السنة الثانیة واحرم بحجة الاسلام وحج یجزیه حجة الاسلام ولا یسقط عنه الدم الذی کان واجبا علیه فی العام الاول قاضی خان علیٰ هامش الهندیة (صفحہ ۲۸۷ جلد ۱)

اور ھدایہ میں ہے۔ واذا اتی الکوفی بستان بنی عامر فاحرم بعمرة فان رجع الیٰ ذات عرق ولبی بطل عنه دم الوقت۔ وفی هامشها قوله الیٰ ذات عرق التخصیص به بالنظر الیٰ حال الکوفی والا فالرجوع الیه والی غیره من مواقیت الآفاقین سواء فی سقوط الدم فی ظاهر الروایة۔ (صفحہ ۲۶۸ جلد ۱)

اور مواقیت الآفاق یہ ہیں

ذوالحلیفہ۔ ذات عرق۔ جحفہ۔ قرن یلملم۔

یہ ہیں آفاقی کے مواقیت اور میقاتی کا میقات وہ زمین حل ہے جو حرم اور میقات کے

درمیان ہو اور مکی کا میقات حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کیلئے زمین حل (فتاویٰ علائیہ صفحہ ۱۶۵ تا ۱۶۹ جلد ۲)

اور عذر من جہت العباد مسقط دم نہیں ہے (معتبرات الفقہ)

اور مسائل حج لسیدی مولانا المفتی الاعظم مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ میں ہے مسئلہ اگر ایک محرم میقات سے احرام کی نیت نہ کرے اور اس سے آگے دوسرا میقات ہو تو دوسرے میقات سے احرام باندھے گا اور اگر دوسرا میقات نہ ہو اور احرام باندھ لیا تو طواف شروع کرنے سے پہلے ایک میقات کی طرف واپس لوٹے گا اگر واپس نہ ہوا تو دم واجب ہے (شرح لباب وغیرہ) مسائل حج پشتو صفحہ ۹۳)

(فائدہ) ایسا ڈرائیور یا ملازم جو خارج میقات سے حرم یا مکہ کو کثرت سے جایا کرتا ہے تو اس کیلئے ہر بار عمرہ کرنا ضروری ہے اور جتنی دفعہ بغیر احرام کے زمین حرم یا مکہ معظمہ داخل ہوا اتنی اس قدر عمرے اور دم اس پر واجب ہوئے۔

اور صدرالشریعہ اور صاحب درر اور صاحب ایضاح فرماتے ہیں جس آدمی کا حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو تو وہ زمین حرم اور مکہ معظمہ بغیر احرام کے آمدورفت کرسکتا ہے لیکن محققین احناف نے ان کی تغلیط کی ہے (شرح لباب وغیرہ)

۲ ہندیہ میں ہے ولو احرم لعمرة قبل اشهر الحج فقضاها و تحلل بمكة فاحرم بعمرة ثم حج من عامه ذالك لم يكن متمتعا فان كان حين فرغ من الاولى خرج فجاوز الميقات قبل اشهر الحج فاہل منه لعمرة فى اشهر الحج وحج من عامه فهو متمتع وان كان جاوز الميقات فى اشهر الحج لم يكن متمتعا الا اذا خرج الى اهله ثم اعتمر ثم حج من عامه عند ابى حنيفة وعندهما هو متمتع جاوز الميقات قبل اشهر الحج او بعدها كذا فى محيط سرخسى صفحه ۲۴۰ ج ۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ خدام مکہ میں قیام اور عمرہ کی ادائیگی کی صورت میں اگر مدینہ منورہ کو شوال سے پہلے چلے گئے ہوں اور شوال میں (یعنی اشہر حج) میں مدینہ منورہ سے عمرہ ادا کیا ہو اور پھر اسی سال آپ لوگ حج بھی ادا کریں تو پھر تمہارا حج حج تمتع ہوگا اور اگر آپ خدام شوال ہی میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ چلے گئے ہوں اور مدینہ منورہ سے شوال میں عمرہ کرچکے ہوں اور پھر حج بھی کریں تو آپ لوگ امام ابو

حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق متمتع نہ ہونگے اور امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے مذہب کے مطابق متمتع ہونگے۔

۳۔جن حضرات نے شوال میں مدینہ منورہ سے عمرہ کیا ہے۔ وہ سوال ثانی کا جواب ملاحظہ کریں اور جس نے مدینہ منورہ سے عمرہ نہیں کیا ہے اور بغیر احرام کے مکہ معظمہ آیا ہے وہ سوال اول کا جواب ملاحظہ کرے۔

۴۔جن لوگوں نے شوال سے پہلے مدینہ منورہ جاکر مدینہ منورہ سے شوال یعنی اشہرِ حج میں عمرہ کیا ہے اور اس سال حج بھی کرے تو اس کا حج بالاتفاق تمتع ہے اور شوال یعنی اشہرِ حج میں مدینہ منورہ جاکر مدینہ منورہ سے اشہرِ حج میں عمرہ کیا گیا ہو اور پھر حج کیا جائے تو یہ حج تمتع نہ ہوگا۔ اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اور مذہب ہے اور امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک یہ حج بھی حج تمتع ہے اور جو لوگ مدینہ منورہ سے بغیر احرام کے آئے ہیں ان کا حج حج تمتع نہیں۔ البتہ ان کے ذمہ تفصیل سابق کے مطابق میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کی وجہ سے دم لازم آئے گا اور اس صورت میں بھی اگر اشہر حج سے پہلے آفاق کی کسی میقات سے تجاوز کیا جائے اور پھر اسی میقات سے اشہرِ حج میں عمرہ کیا جائے اور اسی حال میں حج بھی کیا جائے تو یہ بھی بالاتفاق تمتع ہوگا اور اگر اشہرِ حج میں تجاوز کیا گیا ہو اور اسی میقات سے عمرہ کیا جائے اور اسی سال میں حج بھی کیا جائے تو یہ حج امام صاحب کے نزدیک تمتع نہیں اور صاحبین کے نزدیک تمتع ہے۔ ملاحظہ ہو ہندیہ کی وہ عبارت جو جواب ثانی کے ابتداء میں درج کی گئی ہے اور متمتع کی تعریف بھی ملاحظہ ہو اور وہ یہ ہے والمتمتع من یاتی بافعال العمرة فی اشہر الحج او یطوف اکثر طوافها فی اشہر الحج و یحج من عامه ذالک قبل ان یلم باہله بینهما الماما صحیحا سواء حل من احرامه الاول اولا (ہندیہ صفحہ ۲۳۸ جلد ۱) نیز ملاحظہ ہو غنیۃ الناسک کی یہ عبارت التاسع ان لا یدخل علیه اشہر الحج و هو حلال بمکة او ماحولها او محرم طاف لعمرته اکثره قبلها حتی لو احرم بعمرة اخریٰ و حج من عامه لا یکون متمتعا الا ان یعود الیٰ اہله فیحرم بها فیکون متمتعا اتفاقا او الی خارج المقیات فیکون متمتعا عندهما (صفحہ ۱۱۴)

۵۔ ہندیہ میں ہے و لا تجب علی المسافر و لا علی الحاج اذا کان محرما و ان کان من اہل مکه کذا فی شرح الطحاوی (صفحہ ۲۹۳ جلد ۵) اس روایت سے معلوم ہوا کہ حاجی جو حج کے احرام میں ہوں اس پر قربانی واجب نہیں اگرچہ مکہ میں مقیم ہوں۔اور دوسرا

قول اس مسئلہ مذکورہ کی مخالفت میں یہ ہے کہ مکی اور مکہ میں مقیم پر قربانی واجب ہے اگر چہ وہ حج کے احرام میں ہوں فتویٰ علائیہ میں ہے (فتجب ای التضحیة) علی حر مقیم فلا تجب علی حاج مسافر فاما اہل مکة فتلزمہم وان حجوا و قیل لا تلزم المحرم ۔سراج وفی رد المحتار قولہ و قیل لا تلزم المحرم وانکان من اہل مکة جوہرہ عن الخجندی وحملہ فی الشر النبلالیہ علی المسافر وفیہ نظر ظاہر (صفحہ ۲۲۲ ج ۵) مگر میرا شیخ اور مربی سیدی حضرت مفتی اعظم صاحب دامت برکاتہم قول اول کو پسند فرمایا کرتے ہیں

۶۔ رد المحتار میں ہے تحت شرح قول صاحب الدر المختار ، الواجب دم علی محرم بالغ الخ۔

(تنبیہ) فی شرح النقایہ للقاری ثم الکفارات کلہا واجبة علی التراخی فیکون مؤدیا فی ای وقت و انما یتضیق علیہ الوجوب فی آخر عمرہ فی وقت یغلب علی ظنہ انہ لولم یودہ لفات فان لم یود فیہ حتیٰ مات اثم و علیہ الوصیة ولولم یوص لم یجب علی الورثة و لو تبرعوا عنہ جاز الا الصوم ۔ و فیہ ایضا (قولہ و لو ناسیا) قال فی اللباب ثم لا فرق فی وجوب الجزاء بینما اذا جنی عامدا او خاطئا مبتدئا او عائدا ذاکرا او ناسیا عالما او جاھلا طایعا او مکرھا نائما او منتبہا سکرانا او صاحیا مغمی علیہ او مفیقا موسر اا و معسرا بمباشرتہ او مباشرة غیرہ بامرہ (صفحہ ۲۱۷ جلد ۲)

ان عبارات و روایات سے معلوم ہوا کہ غریب کے لئے بھی دم دینا ضروری ہے البتہ دم دینے میں اتنی سہولت ہے کہ علی الفور ضروری نہیں بلکہ موت سے پہلے اگر دیدیا تو اس سے بھی ذمہ فارغ ہوجائے گا۔

۷۔ یہ تو آپ اور کمپنی والوں پر منحصر ہے کہ کمپنی والے آپ لوگوں کی اتنی رعایت کریں کہ آپ لوگ کم از کم ضروریات حج تو ادا کر سکیں۔

ھو الموفق کتبہ

سیف اللہ حقانی خادم الافتاء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک خادم الافتاء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا عبدالقیوم حقانی

جامعہ حقانیہ کا فیضان۔

فضلاء اور طالبان افغانستان

تازہ مشاہدات اور تاثرات

اپنے مہمان دوست داعی اسلام مولانا ابوطاہر اسماعیل کی تشریف آوری پر احقر کاتب الحروف برادرم مولانا محمد ابراہیم فانی اولسوال محمد حکیم، مولانا نعیم الدین اخوندزادہ اور دیگر 20 علماء اور معززین رفقاء سفر پر مشتمل ایک وفد نے طالبان کے افغانستان کا دورہ کیا۔ طورخم کے پھاٹک سے جبل السراج اور سالانگ کے محاذ جنگ تک حقانی فضلا اور طلباء کے عملیات کارنامے، مجاہدین کے نظام حکومت، ریاست عدالت قیادت اور کمانڈ کی سیادت کے مناظر سامنے آتے رہے۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا فیضان، فضلاء اور طالبان افغانستان کی شکل میں ایک مستقل عنوان اور کئی دفتروں پر مکمل ہونے والی ایک عظیم تاریخی داستان ہے۔ جسے مستقبل کا مورخ لکھے گا۔ ذیل کے تازہ سفر کی اجمالی روئیداد نذر قارئین ہے۔

(عبدالقیوم حقانی)

یکم مارچ 1997ء طورخم کے پھاٹک سے جب ہمارا قافلہ طالبان کے افغانستان کی مبارک سرزمین میں داخل ہوا تو دل کی دنیا بدل گئی۔ پھاٹک کھلتے ہی نگاہوں کے سامنے طالبان تھے۔ مبارک لوگ سنت رسولؐ سے سجے ہوئے نورانی چہرے سنت کے مطابق لباس مبارک عمامے ایسے محسوس ہوا کہ سلف صالحین کے مبارک یا زمانہ خیر القرون کی مقدس وادیوں میں داخل ہوگئے ہیں۔

رمضان المبارک کی فضائیں :-

پرامن فضاء ، نظام عدل، سکون واطمینان اور ایمانی و روحانی انوارات سے معمور ہوائیں ۔ اکوڑہ سے طورخم تک راستے کے چیک پوسٹوں اور طورخم پھاٹک میں پاکستانی پولیس کے مخصوص طرز معاملت سے جو طبعی بوجھ ، تھکاوٹ اور قلبی کدورتیں پیدا ہوگئی تھیں وہ سب کا فور ہوگئیں سب شرکاء نے یوں محسوس کیا جیسے رمضان المبارک کا مہینہ آگیا ہواور اب ہم اسی ماہ مبارک کے روحانی اور عرفانی لمحات میں داخل ہورہے ہیں ۔ یہ تجزیہ اولاً معزز مہمان مولانا ابو طاہر اسمٰعیل صاحب کا تھا جس کی نہ صرف یہ کہ سب شرکاء وفد نے تصدیق کی بلکہ آخر تک اور آج تک یہی سب کو ورد زبان ہے ۔

حضرت گل حقانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے طالب علم مولوی حضرت گل طورخم پھاٹک سے ننگرھار تک تمام علاقہ کی امنیت عامہ کے مسئول اور ذمہ دار ہیں۔ موصوف ابتدائی کتب سے درجہ تکمیل تک جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں پڑھتے رہے ۔ تحریک طالبان شروع ہوئی تو عملاً اس میں شریک ہوگئے ۔ اس سے قبل بھی جہادی تنظیموں کے ساتھ اپنے زمانہ طالب علمی میں مختلف معرکوں میں شریک رہے۔

قافلہ خیرالقرون کا بچھڑا ہوسپاہی ۔

حضرت گل حقانی اور ان کے رفقاء طالبان نے اپنے اساتذہ اور اضیاف کا والہانہ استقبال کیا اور انہیں طورخم پھاٹک کے قریب اپنے دفتر (واقع گمرک) میں لے گئے ۔ دفتر میں سادگی ، وقار ومسکنت کے باوجود اسلامی نظام حکومت کا رعب اور عدل وانصاف کی تمکنت جھلکتی تھی۔ حضرت گل حقانی اس علاقہ کے باتمکین حکمران، اور عظمت اسلام کا نشان ہیں۔ عجز وتواضع اور انکسار واحترام کا ایسا نمونہ معلوم ہوتا کہ قافلہ خیرالقرون کا کوئی کمانڈر اپنے قافلے سے بچھڑ کر رہ گیا ہے۔

اپنی کرسی پر بیٹھنا اسے سوء ادب نظر آرہا تھا۔ میں نے عرض کیا آپ اپنی کرسی پر بیٹھیں تاکہ ہم اپنی آنکھوں سے اسلامی حکومت کے ایک علاقائی حکمران کو اپنے فریضہ منصبی ادا کرتے ہوئے اپنے منصب پر متمکن دیکھیں ۔ اس سے ہمارا نورایمان زیادہ ہوتا ہے۔

کہنے لگا استاد جی ! یہ کیسے ہوسکتا ہے گذشتہ چھ سات سال سے میں آپ سے اسباق پڑھتا رہا ۔ میرے اساتذہ میرے اکابر موجود ہوں اور میں (مسئول حکمران) کی کرسی پر بیٹھوں، یہ مجھ پر بہت شاق گزررہا ہے ۔میں نے اسے ہاتھ سے پکڑا اور بہ اصرار کرسی پر بٹھانا چاہا، مگر ادب واحترام اور اور حیا کی وجہ سے اس کی حالت دیدنی تھی پسینہ پسینہ تھا۔ بالآخر جامعہ حقانیہ کے قدیم فاضل مولانا نعیم الدین اخوندزادہ (المعروف بہ کنڑ) کو ہم نے کرسی پر بٹھادیا کہ وہ معمر بھی تھے ، بزرگ عالم دین بھی، اور ہر لحاظ سے قابل احترام بھی، بعد میں مولانا ابراہیم فانی نے بتایا کہ بین الاقوامی قوانین اور پروٹوکول میں یہ اصول ہے کہ حکمران یا جج اپنی کرسی پر کسی کو بھی نہیں بٹھائے گا اور اگر کہیں اپنی کرسی چھوڑ بھی دے تب بھی وہ خالی رہے گی مگر یہاں تو دین اسلام کی بالادستی ہے اور شریعت کی بہاریں ہیں۔

خدا کی ذات پر اعتماد :

مولانا حضرت گل حقانی نے خطبہ مسنونہ پڑھا اپنے اساتذہ اور اضیاف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا!

یہ تحریک "تحریک طالبان" نہ تو ٹینک پر یقین رکھتی ہے نہ کلاشکوف، پر نہ راکٹ لانچر پر، نہ ہوائی جہاز اور نہ ایٹم بم پر اس کا اعتماد ہے۔ ہمارا اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ دین اسلام کی صداقت تب نکھر کر سامنے آتی ہے ۔ جب اجتماعی طورپر اس پر عمل کرنے کا قطعی فیصلہ کردیاجائے۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور عالم اسلام کی ذمہ داری :

اپنے اساتذہ اور بزرگ علماء کی آمد سے ہمارے حوصلے بلند ہوئے ۔ہمارا ولولہ بڑھا یہ تحریک بھی تو آپ بزرگوں کے مشورہ اور دعاؤں سے شروع ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ہماری زمانہ طالب علمی کی طرح اب بھی رہنمائی فرماوینگے گے۔ ہماری تربیت کریں گے۔ دارالعلوم حقانیہ میں گزرے ہوئے دن یاد آتے ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رح قدس سرہ العزیز کی سرپرستیاں اوردعائیں اور مجاہدین سے خصوصی محبت اور جہاد سے دلچسپی کے برکات عیاں ہیں۔ اورہرمقام پر اس کے اثرات

ظاہرہیں۔ ہم آپ سے دعاؤں کی توقعات رکھتے ہیں۔ استاد محترم حقانی صاحب نے بیرون ملک سے آنے والے مہمان حضرت مولانا ابو طاہر اسمٰعیل مدظلہ کا جو تعارف کرادیا ہے ان کا جو جذبہ اور طالبان سے محبت اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے دلچسپی اور ولولہ دیکھا تو ہم

بہت خوش ہوئے اب تو صرف افغانی یا پاکستانی نہیں پورے عالم اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے افغانی اسلامی انقلاب یا تحریک طالبان کے غلبہ شریعت کی جدوجہد کو کامیاب بنائیں اور اس کے استحکام اور دوام کے لئے بھر پور مساعی کریں۔

حقانیہ کے تربیتی ماحول کے ثمرات:

میں نے حضرت گل حقانی کی مفصل تقریر کی، تلخیص لکھ دی۔ میں خود حیرت زدہ تھا کہ کیا یہ وہی حضرت گل ہے جو حقانیہ میں نحومیر سے درجہ تکمیل تک گونگا، بے زبان، خاموش طبعیت، شرمیلا طالب علم تھا؟ اب ان کی جرات، ان کی بے باکی، ان کا ولولہ اور خطاب دلائل اور نتائج اور انداز حکمرانی دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ قرون اولیٰ کی کوئی نادرہ روزگار شخصیت ہے، جو مولوی حضرت گل کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ میرا یقین ہے کہ جامعہ حقانیہ کے تربیتی ماحول، اساتذہ کی تربیت، شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی دعاوں اور درس نظامی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے ہردور میں دین اسلام اور امت مسلمہ کو رجال کار مہیا کیئے ہیں۔ ابھی حضرت گل حقانی سے مذاکرہ جاری تھا کہ اچانک جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل اور سابق مدرس مولانا شمس الرحمان حقانی اپنے اساتذہ کی آمد کا سن کر اپنے فوجی هیڈکوارٹر غنی خیل اولسوالی سے طورخم (گمرک) پہنچ گئے۔ جہاں ہم لوگ بیٹھے تھے، ان کے آنے سے رونق محفل دوبالا ہوئی۔

کہ اپنے بے تکلیف دوست بھی ہیں اور مخلص تلمیذ بھی ۔میں نے اپنے مہمان دوست مولانا ابو طاہر اسمٰعیل مدظلہ سے ان کا تعارف کراتے ہوئے عرض کیا کہ مولانا ایک جید فاضل، ایک لائق مدرس، ایک محقق عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اولین روز سے میدان جنگ کے نڈر سپاہی اور تحریک طالبان کے اولین کارکن بھی ہیں۔ تحریک

طالبان کے دوران جامعہ حقانیہ میں تدریس کرتے رہےاور تحریک میں عملاً بھرپور شرکت بھی کرتے رہے۔ تو اس پر مولانا محمد ابراہیم فانی مدظلہ نے برجستہ شعر پڑھا

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبعیت بھی

تو محفل کشت زار زعفران بن گئی۔

مولانا ابو طاہر اسمٰعیل مدظلہ نے اسی پس منظر اور پیش نظر کے حوالے سے کچھ اشعار سنائے، تو طالبان کی کامیابی اور فتح مبین کا ذکر چل پڑا۔ مولانا محمد ابراہیم فانی نے اس موقع پر فتح مبین کے حوالے سے درج ذیل کلام سنایا جو جامعہ حقانیہ میں فتح کابل کے موقع پر فتح مبین کانفرنس کے حوالے سے لکھا گیا تھا۔

یہ فتح مبیں فتح کابل مبارک
بفضل مبیں فتح کابل مبارک

ندا ہی ہے صدا آرہی ہے
زعرش بریں فتح کابل مبارک

زباں ہے یوں مشغول حمد خداوند
بسجدہ جبیں فتح کابل مبارک

جہاد مقدس کی تکمیل ہوگی
مرے ہم نشین فتح کابل مبارک

خدا نے رکھی لاج نام عمر کی
امیرا میں فتح کابل م

ذلیل اور خائب ہوئے سارے دشمن
کھلا باب دین فتح کابل مبارک

مقابل ہے تیرا جنود الٰہی
عدوئے لعیں فتح کابل مبارک

نظام خلافت کا ہوگا اب احیا
بروئے زمین فتح کابل مبارک
گلستان ملت پہ آئی ہے نکہت
بہار آفریں فتح کابل مبارک
نہیں ہونے دیں گے یہ خون شہیداں
یوں ضائع کہیں فتح کابل مبارک
تمنا مسلمان کی اب ہوگی پوری
مجھے ہے یقین فتح کابل مبارک
فلسطین وشیشان وبسنا بھی دیں گے
ہوں زیر نگیں فتح کابل مبارک
منافق بھی کہتا ہے مجبور ہو کر
بقلب حزیں فتح کابل مبارک
ہے فانی عاجز کا ادنیٰ سا تحفہ
یہ نظم حسین فتح کابل مبارک

غنی خیل کے لئے روانگی:

طورخم پھاٹک کے طالبان کا اصرار تھا کہ ہمارا ان کے ہاں زیادہ سے زیادہ قیام ہو مگر مولانا شمس الرحمان حقانی اور ان کے رفقاء نے کہا کہ ہم نے غنی خیل اولسوالی میں پہلے سے استقبالیہ کا پروگرام ترتیب دیا ہے۔ اور ظہرانے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ اس دوران وائرلس کے ذریعہ غنی خیل سے مہمانوں کے انتظار اور یہاں سے انہیں جلد رخصت کرنے کے تاکیدی پیغامات بھی مل رہے تھے۔

جب غنی خیل کے لئے روانگی ہوئی اور دفتر سے نکل کر گاڑیوں کی طرف آنے لگے تو

جامعہ حقانیہ کے قدیم فاضل اور معروف استاذ فقہ و حدیث اخوندزادہ نعیم الدین حقانی نے میرا ہاتھ پکڑ کر سامنے کے پہاڑوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ شمشاد (غونڈ) پہاڑیاں کہلاتی ہیں ان تمام پہاڑوں میں طالبان پھیلے ہوئے اور مورچہ بند ہیں ان پہاڑوں پر چڑھنے کی مسافت میں چار گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔

تخیل کی بلند پروازیاں:

طالبان کے ساتھ معیت کے یہ لمحات رحمت ہی رحمت تھے۔ ادھر طویل مدت بسیار دعاوں ،اور شدید انتظار کے بعد باران رحمت کی بوندا باندی بھی شروع ہوگئی۔ طالبان نے اس کو ہم گنہگاروں کی آمد کے حوالے سے نیک فال خیال کیا۔

ایک عظیم تاریخی یادگار دن:

اب چاروں طرف باران رحمت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ فضاء میں خنکی بھی تھی اور رحمت بھی اور نور بھی۔ ہم اپنے تخیلات کی دنیا میں مست تھے۔ کبھی بدر و احد کا خیال آتا، کبھی حنین وتبوک کا تصور، کبھی اصحاب خندق کی قربانی رلاتی کبھی قادسیہ ویرموک کی داستانیں سامنے آتیں، کبھی شاملی اور تھانہ بھون کا منظر ہوتا۔ کبھی بالاکوٹ کے شہداء کی روحیں متصور ہوتیں اسی ایمانی فضاء میں روحانی تصورات نے ولولہ تازہ دیا ایمان کو جلا ملی ۔مولانا ابو طاہر اسماعیل نے بے ساختہ کہا

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ پاک نے اپنی زندگی میں ایک اسلامی اور خالص اسلامی حکومت دکھادی ہے میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ ایک طویل ترین تاریخی تسلسل میں خالص اسلامی نظام حکومت کے انخلاء کے بعد مجھے اللہ نے ایک خالص اسلامی حکومت دکھادی ہے

فضاء بدر:

مولانا فانی نے مولانا ابو طاہر اسماعیل کا یہ ارشاد سنا تو بے اختیار پکار اٹھے حضرت خدا کی نصرتیں اب بھی شامل حال ہوسکتی ہیں فضاء بدر چاہئیے فضاء بدر

فضاء بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

عظمت ورفعت کے باوصف عجز وانکسار کا اظہار:

اب ہمارا قافلہ جلال آباد مگر اس سے قبل مولانا شمس الرحمان کی اولسوالی ، غنی خیل کے لئے رواں دواں ہوا۔ تو طالبان نے اپنے روایتی انداز میں اپنے اساتذہ اور اضیاف کے اکرام میں کاروان ترتیب دیا۔ مسلح گارڈ زبردست سرکاری پروٹوکول کے باوصف بے تکلفی ، وارفتگی ، عقیدت اور خلوص ومحبت اور تواضع وانکسار کے جذبات سے معمور جذبہ شہادت اور جوش جہاد سے بھرپور کاروان سوئے منزل رواں دواں ہوا۔

طالبان افغانیوں کے لئے امن وعدل اور نفاذ شریعت کی ضمان ہیں:

میرا بارہا ان راستوں پر گزر ہوا ہے ۔ مجددی ربانی اور مسعود کے دور نامسعود میں میدان شہر اور درہ نور کے علاقوں میں جانا ہوتا تھا ۔ اپنے مخلص رفیق حافظ محمد صفی اللہ معاویہ (حال مدینہ منورہ) بھی میرے ساتھ ہوا کرتے تھے چند چند کلو میٹر پر پھاٹکوں کے سلسلے ، ٹیکسوں کا بے ہنگم نظام ، لوٹ مار کا طومار ، .بچوں اور بچیوں کی چھینا جھپٹی، دن دہاڑے ڈاکے اسلام کے نام پر آنے والے حکمران مظلوموں سے خدا کا واسطہ سنتے تو غضبناک ہوجاتے. بخشش کی درخواست یا مظلوم کی فریاد سنتے تو مطلوبہ ٹیکس دوھرا کردیتے ، وہ لوگ جنہیں جنگ کا تجربہ تھا ، جرنیلی اور جہادی قیادت میں نامور تھے حکومت اور نظام حکومت کے سلسلہ میں بلند بانگ دعوے کرتے تھے خواہ وہ کمیونسٹ حکمران ہوں یا ربانی ، حکمتیار ، مسعود سیاف جیسے جہاں دیدہ اور تجربہ کار سیاست مدار سب کا نام اب گالی بن چکا ہے ۔ ان کے مقابلے میں عمر کے کچے ، ناتجربہ کار بچے، سندات اور ڈگریاں کہاں ؟ ابھی تو بے چارے طالبان ہیں مگر افغانستان کے مسلمانوں کیلئے درالامان ہیں راحت سکون ، امن عدل اور نفاذ شریعت کی ضمان ہیں۔
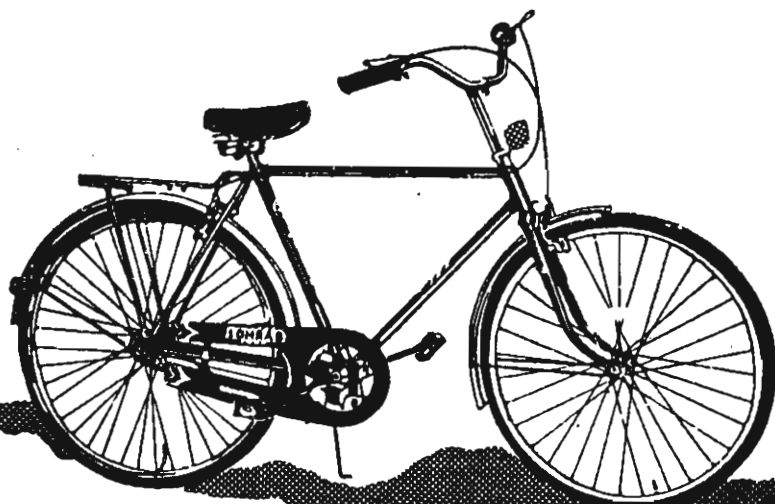
شاہنواز فاروقی

نفسیاتی کلوننگ سے جسمانی کلوننگ تک

مغرب کے نئے انحراف اور نئے گناہ کی ایجاد کا جائزہ

(مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں)

کسی زمانے میں مغرب ایک جغرافیہ کا نام تھا۔ اب ایک ذہنیت کا نام ہے۔ اس ذہنیت نے خدا کا انکار کیا تھا، مذہب کا انکار کیا اور نام نہاد انسان پرستی کو اپنا شعار بنایا۔ لیکن یہ جعلی انسان پرستی زیادہ عرصے نہ چل سکی۔ اس کے بیخ و بن بہت جلد ادھڑ کر رہ گئے۔ یہ عمل بھی اب وہاں اپنے آخری مراحل میں ہے۔ خدا اور مذہب کو مسترد کرنے والی ذہنیت بالآخر انسان کو بھی بری طرح رد کر رہی ہے۔ اس کی تازہ ترین صورت مغرب میں جنیات (Genetics) کے شعبے میں ہونے والی پیش رفت ہے، جس کے تحت بھیڑ اور بندر بنائے گئے ہیں اور انسان کے خلئے سے انسان سازی کے بارے میں سوچا جارہا ہے اور مغرب کے سائنس دانوں کا خیال ہے کہ یہ کارنامہ آئندہ دو چار برسوں میں انجام پاجائے گا۔ یعنی وہ دن دور نہیں جب انسان کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں تیار کی جاسکیں گی۔ دیکھنا یہ ہے کہ بندر اور بھیڑ کی کلوننگ کے بعد انسان کی کلوننگ کا مرحلہ کب آتا ہے؟

سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں ہونے والی اس "پیش رفت" نے پوری دنیا میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا ہے اور بحث و تمحیص کے ہزار در کھول دئیے ہیں۔ اس معاملے کا نہ صرف یہ کہ مذہبی اور اخلاقی نقطہ نظر سے جائزہ لیا جارہا ہے، بلکہ مذہب اور اخلاق سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی اس کے امکانات و مضمرات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حیوانات کی کلوننگ تو ٹھیک ہے لیکن انسان کی کلوننگ کی اجازت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اس سے بہت بڑا فساد فی الارض پیدا ہو گا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس عمل سے "انسانیت" کی بھی خدمت ہوسکتی ہے، مثلاً یہ کہ انسان اس طرح حیات ابدی پاسکتا ہے۔ دنیا میں ذہین ترین افراد کی تعداد میں ضرورت کے مطابق اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تاہم بھیڑ کے خلیے سے ڈولی نام کی بھیڑ تیار کرنے والے اسکاٹش سائنس دانوں کی جماعت کے سربراہ ڈاکٹر ایان ولمٹ (Ian Wilmut) نے اپنے ایک تازہ ترین انٹرویو میں کہا ہے کہ کلوننگ کے عمل سے حیوان تیار کرنے کا عمل تو ٹھیک ہے لیکن انسان تیار کرنے کا عمل ایک غیر انسانی فعل ہے۔

ایک خبر کے مطابق امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے ایسے تمام تحقیقی مراکز کے فنڈز روک لئے ہیں جہاں کلوننگ کے شعبے میں کام ہورہا ہے اور جن کے بارے میں خیال ہے کہ وہاں انسان کی فوٹو اسٹیٹ کاپی تیار کی جاسکتی ہے۔ بل کلنٹن نے نجی شعبے میں کام کرنے والے تحقیقی مراکز سے بھی

کہا ہے کہ وہ بھی اس سلسلہ میں سرکاری شعبے میں کام کرنے والے مراکز کی تقلید کریں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس عمل کو پابندیوں سے روکا جاسکے گا؟ اس سوال کا جواب واضح نفی میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا جن بوتل سے نکل چکا ہے اور اب اس جن کو دوبارہ بوتل میں لے جانا تقریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ اس جن کو شیطان نے دیکھ لیا ہے اور وہ اس سے جو کام لینا چاہتا ہے لے رہا ہے۔

مذہب میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے بارے میں کئی Myth پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے اہم ترین یہ ہے کہ وہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی آزادانہ تحقیق و تفتیش کی مرہون منت ہے۔ لیکن یہ بات جتنی درست نظر آتی ہے اس سے کہیں زیادہ غلط ہے۔ کمرشل آرٹ اور کمرشل فلم کی طرح مغرب کی سائنس اور ٹیکنالوجی بھی کمرشل ہو چکی ہے۔ اسے بھی سرمایہ داروں نے اچک لیا ہے۔ مغرب میں بیشتر تحقیق یا تو نجی شعبے میں ہو رہی ہے یا اگر نیم سرکاری یا سرکاری اداروں میں یہ کام ہو رہا ہے۔ تو وہاں بھی سرمایہ داروں ہی کا پیسہ لگ رہا ہے۔ یہ مغربی دنیا کا ایک روشن پہلو سمجھا جاتا ہے، علم اور دولت کی یکجائی بظاہر بہت شاندار اتحاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ داروں کے تجارتی مفادات تحقیقاتی سمت کا تعین کر رہے ہیں۔ سرمایہ دار تحقیق کے صرف ان امکانات پر پیسہ صرف کرتے ہیں جن کے ذریعہ انہیں دولت حاصل ہونے کی توقع ہوتی ہے۔ خواہ ان کے نتیجہ میں "علم" ترقی نہ کرے۔ وہ ان امکانوں کے لئے ایک پائی دینے پر تیار نہیں ہوتے جن سے علم ترقی کرسکتا ہے لیکن تجارتی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو مغرب میں ہونے والی سائنسی تحقیق کی آزادی کا نعرہ نعرے کے سوا کچھ نہیں، چنانچہ اس پس منظر میں اس امکان کو مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ کلوننگ کا سارا سلسلہ سرمایہ داروں کے تجارتی مفادات کا مرہون منت ہو اور یہ ٹیکنالوجی بالآخر منافع کے حصول کے لئے وقف ہو کر رہ جائے اور اس سلسلہ میں مقابلے اور مسابقت کی فضا تمام اخلاقی حدود کو پھلانگ جائے اور مسٹر بل کلنٹن کی پابندیاں دھری کی دھری رہ جائیں۔ آسٹریلیا سے یہ خبر آچکی ہے کہ وہاں ماس کلوننگ کے منصوبے پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے اور اس سلسلہ کے پہلے منصوبے کے تحت 500 بھیڑیں تیار کی جارہی ہیں، امریکہ سے خبر آئی ہے کہ ریس کے مشہور ترین گھوڑے سگار کی فوٹو اسٹیٹ تیار کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ اس طرح ریس جیتنے والا ایک گھوڑا سٹے بازوں کو دستیاب ہو جائے گا۔ بلاشبہ مغرب کبھی ایک جغرافیہ کا نام تھا لیکن اب ایک ذہنیت کا نام ہے۔ اور یہ ذہنیت دنیا کے کسی بھی ملک، کسی بھی قوم اور کسی بھی طبقے میں پائی جاسکتی ہے۔ اس ذہنیت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ نت نئے انحرافات بلکہ گناہ ایجاد کرتی ہے اور پھر انہیں تخلیقی کارنامہ باور کراتی ہے۔ کبھی یہ کارنامہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے دائروں میں انجام پاتا ہے، کبھی فکر و فلسفے کے دائرے میں، کبھی انسانی رشتوں کے دائرے میں اور کبھی کسی اور دائرے میں۔ انحرافات اور گناہوں کی ایجاد مغرب سے مخصوص نہیں، انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں یہ انسان کا کام کرتا رہا ہے۔ لیکن

جدید مغرب نے اس سلسلہ میں انسانی تاریخ کے ہر دور پر سبقت حاصل کرلی ہے۔ مثال کے طور پر مغرب نے بعض زندگی کے دائروں میں جو انحرافات اور گناہ ایجاد کئے ہیں انسانی تاریخ میں اس کی نہ صرف یہ کہ کوئی نظیر نہیں ملتی بلکہ اگر ان انحرافات اور گناہوں کا موازنہ حیونات کی جنسی زندگی کے دائرے میں موجود مواد سے کیا جائے تو حیوانات انسان سے بہت بہتر نظر آتے ہیں۔

مغرب نے نعوذباللہ خدا کو مسترد کرکے اس کی جگہ انسان کو تو بٹھادیا لیکن وہ اس بھیانک جرم کی خلش سے نجات حاصل نہ کرسکا۔ بلکہ وقت گزرنے کی ساتھ ساتھ یہ خلش بڑھتی چلی گئی۔ اس کا لاشعوری طور پر یہ علاج دریافت کیا گیا کہ انسان ہی کو خدا بنادیا جائے۔ نطشے کا سپر مین ایک ایسی ہستی ہے جو اپنی طاقت، اختیار اور ارادے میں بے مثال ہے۔ مغرب کے سائنس دانوں نے تواتر کے ساتھ یہ بات کہی کہ ہم رفتہ رفتہ تمام فطری قوانین کو دریافت کرلیں گے اور جس دن ایسا ہوجائے گا ہمیں خداکے وجود کی کوئی نفسیاتی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ انسان اپنی تقدیر کا خود مالک بن جائے گا۔ ماہر نفسیات ایرک فرام کی تو ایک پوری کتاب بھی اس موضوع پر ہے۔ جس کا عنوان (Man Shall be as God) مرزا یاس یگانہ چنگیزی نے کہا ہے:

خودی کا نشہ چڑھا آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہ مگر بنا نہ گیا

دلچسپ بات یہ ہے کہ جسمانی کلوننگ کے مسئلے پر پوری دنیا میں ہنگامہ برپا ہو گیا ہے اور خاص طور پر مذہبی حلقے اس سلسلے میں غیر معمولی رد عمل ظاہر کررہے ہیں۔ انہیں کرنا بھی ایسا چاہئے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مغرب نے نفسیاتی اور جذباتی کلوننگ کے جس عمل کو پوری دنیا میں پھیلادیا ہے اس پر نہ اس عمل کی ابتدا کے وقت کوئی ہنگامہ برپا ہوا تھا اور نہ اب کوئی بڑا ہنگامہ برپا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس عمل کو سرے سے کلوننگ سمجھا ہی نہیں گیا حالانکہ یہ عمل سرتاسر کلوننگ سے عبارت ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انسانوں کی عظیم اکثریت ذہنی، نفسیاتی اور جذباتی طور پر ایک دوسرے کی فوٹواسٹیٹ محسوس ہوتی ہے۔ دنیا کے لوگوں کی عظیم اکثریت کے نام، ان کے ملک، قومیتیں اور برادریاں بلاشبہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکن ان کی نفسیات یکساں ہے۔ ان کا جذباتی عمل اور رد عمل یکساں ہے۔ ان کی خواہش، آرزوئیں، تمنائیں اور مقاصد حیات یکساں ہیں۔ اصول ہے کہ پہلے انسان کی روح، نفس اور ذہن میں تبدیلی آتی ہے پھر جسم بدلتا ہے۔ مغرب نے پہلے دنیا بھر کو نفسیاتی وجذباتی طور پر کلوننگ کے عمل کا شکار کیا اور اب جسمانی کلوننگ کے عمل سے گزارنا چاہتا ہے۔ چونکہ یہ سراسر ایک خارجی عمل ہے اس لئے اس پر شدید رد عمل سامنے آرہا ہے۔ لیکن نفسیاتی وجذباتی کلوننگ چونکہ ایک واقعی عمل تھا اور ہے اس لئے اس پر کوئی خاص رد عمل سامنے نہیں آیا۔ حالانکہ اصل اہمیت داخلی عمل کی ہے۔

جہاں تک مذہب اور خاص طور پر اسلام کا تعلق ہے۔ تو اس مسئلے کے سلسلے میں اس کا نقطہ نظر بہت واضح ہے اور وہ یہ کہ اس نوع کے کسی بھی عمل فی نفسہ قبول نہیں کیا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ کلوننگ ایک حال ہی کا واقعہ ہے اس لئے اس ضمن میں کوئی واضح بات اسلامی لٹریچر میں نہیں ملتی لیکن بنیادی اصول بہت سے ہیں اور ہم ان اصولوں سے جس اصول سے چاہیں اس ضمن میں استفادہ کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام میں جانداروں اور خاص طور پر انسانوں کی شبیہ سازی کی ممانعت کی گئی ہے اس ممانعت کا نتیجہ ہے کہ اسلامی دنیا میں فن مصوری اور اس سے متعلق دیگر شعبے کبھی بہت ترقی نہیں کر سکے۔ شبیہ سازی کی ممانعت کیوں کی گئی ؟ اس سوال کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں ان میں سب سے اہم جواب یہ ہے کہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح بت پرستی کا شکار نہ ہو جائیں۔ سنا ہے کہ جناب جاوید حامدی نے اس بنیاد پر تصویر کو جائز قرار دے دیا ہے کہ اب مسلمانوں میں بت پرستی کے پھیلنے کا کوئی امکان موجود نہیں۔ ممکن ہے اصل مسئلہ کی اصل توجیہ یہی ہو لیکن نظریہ آتا ہے کہ جانداروں اور خاص طور پر انسانوں کی شبیہ بنانے کی ممانعت اس لئے کی گئی کہ قرآن مجید اور حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آدم کو دونوں ہاتھوں سے تخلیق کیا۔ اس پوری کائنات میں صرف انسان وہ واحد مخلوق ہے جس کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے۔ یہ بات دراصل دوسری مخلوقات پر انسان کی فضیلت کا اعلان ہے۔ لیکن انسان کی اصل فضیلت یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صورت پر خلق کیا اور اللہ تعالیٰ تمام تغیرات سے ماوراء ہے۔ چنانچہ کسی بھی اعتبار سے اس کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ انسان میں عنصر ربانی موجود ہے، اس لئے ایک خاص درجے میں اس کا تعین بھی مناسب نہیں اور چونکہ شبیہ سازی ایک طرح کا تعین ہے اس لئے اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ یہ عمل ایک اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نقل بھی ہے اور اگر ہمارا حافظہ درست ہے تو ہم نے کہیں پڑھا ہے کہ شیطان خدا کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

بہر حال یہ امر واضح ہے کہ مغرب کی سائنس اور ٹیکنالوجی جو پہلے ہی اخلاقیات سے بے نیاز تھی سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں آکر اخلاقیات سے اور بھی بے نیاز ہو گئی ہے اور اب اس کے آگے کوئی دیوار کھڑی کرنا ممکن نہیں۔ ممکن ہے کہ مغربی ملکوں کی حکومتیں کلوننگ کے عمل کو محدود رکھنے کی کوشش کریں لیکن ان کی یہ کوشش کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ قرب قیامت کی پیشن گوئی ہزاروں برس سے کی جارہی ہے۔ لیکن اب یہ پیشن گوئی حقیقی معنوں میں دور کی بات محسوس نہیں ہورہی۔

سفر نامہ یورپ حافظ راشد الحق حقانی

ذوق پرواز

(قسط نمبر ۳)

میری نیرنگئ وحشت کا عالم کوئی کیا جانے
بہاریں ساتھ لاؤنگا اگر پلٹا بیاباں سے

گاڑی ریلوے سٹیشن پر پہنچی تو شام کے سات بج رہے تھے۔پلیٹ فارم پر اترا جب نگاہ ڈالی اور غور سے دیکھا تو انسانوں کا ایک ہجوم تھا،میں نے ہر سمت دیکھا اور جلد ہی اندازہ ہو گیا کس بے کنار دریا میں اپنا سفینہ ڈال دیا ہے ادہر ادہر دیکھا کوئی بھی شناسا چہرہ نظر نہ آیا۔پریشانی میں اضافہ ہوا۔باالآخر لندن میں مقیم رشتہ داروں کو فون کیا کہ آپ کا آدمی تو لینے نہیں آیا تو وہاں سے یہ نوید افزا مژدہ سنایا گیا کہ وہ شخص فرانس سے باہر گیا ہوا ہے حیرانی اور پریشانی میں مزید اضافہ ہوا۔پھر ایک سمت میں نے ان بھول بھلیوں میں گھومنا شروع کر دیا۔ایک آدمی سے باہر کا راستہ دریافت کیا تو اس نے فرینچ میں بتایا۔میں نے نہ سمجھتے ہوئے بھی شکریہ ادا کیا تو اس نے راستہ بتانے کا معاوضہ طلب کیا میں حیران بلکہ اپنے استفسار پر شرمسار ہو گیا۔بڑی مشکل سے جان چھڑائی اور مختلف راستوں ، الیکٹرک سیڑیوں سے گزرتے ہوئے باہر آیا۔یہ پیرس کا مشہور اور بڑا (گاڑینو)سٹیشن تھا۔یہاں پر خوش قسمتی سے چند بھارتی بوڑھی خواتین نے میری پریشانی کو بھانپتے ہوئے میری رہنمائی کی اور مشورہ دیا کہ بیٹا سب سے پہلے کرنسی چینج کرو۔پیسے تبدیل کرنے کے بعد کافی مشکلوں سے اسٹیشن کی حدود سے باہر نکلا۔ہاتھوں میں ایک

بکس اور بیگ کا بارِ گراں تھا۔بڑی مشکل سے ایک ٹیکسی ڈھونڈنا شروع کردی۔میرے سامنے ٹیکسیاں آتی رہیں اور رکنے کا نام نہ لیتیں پھر کسی نے اشارے سے بتایا۔کہ فلاں راستوں (گورکھ دھندے) سے ہوتے ہوئے نیچے ٹیکسی سٹینڈ میں قطار کے اندر کھڑے ہوکر آپ کو ٹیکسی ملے گی۔بہر حال ٹیکسی سٹینڈ کو دریافت نہ کرسکا اور جھنجھلاتے اور خود کو کوستا ہوا اسٹیشن سے باہر آگیا۔راستہ میں کوئی ٹیکسی نہ رکی بڑی مشکل سے ایک کلومیٹر کا راستہ طے کیا اور سٹاپ پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا اب جب ٹیکسی والے آتے رہے تو سب فرنچ بولتے رہے۔کافی جتن کیے اور اشاروں کنایوں سے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ سمجھے میں نے ایک علاقہ کا نام بتایا جہاں پاکستانی اور انڈین رہتے ہیں لیکن ان کو تلفظ سمجھ نہیں آرہا تھا۔اہل فرانس تلفظ کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔جب تک آپ تمام صفات و مخارج کے ساتھ اُن کے مخصوص لہجے میں نہیں کہیں گے وہ نہیں سمجھیں گے۔وہ سمجھتے ہوئے بھی انجان بنے رہیں گے۔اہل فرانس انگریزی سے شدید نفرت کرتے ہیں اور جانتے ہوئے بھی کبھی بھی آپ سے انگلش میں بات نہیں کرینگے میں نے اس کے بارے بہت کچھ سنا تھا اور اب مشاہدہ کرلیا۔اگر آپ ان سے انگریزی کے علاوہ کسی بھی دوسری زبان میں بات کرینگے تو وہ رہنمائی کیلئے تیار ہوجائینگے۔بالآخر مایوس ہوکر روڈ کراس کیا تو ایک سفید ریش بزرگ پر نظر پڑی فوراً اس کی طرف لپکا۔کہ شاید خضر راہؑ بن کر اس "بھٹکے ہوئے راہی کو "نشان منزل" بتادے۔قریب آکر سلام کیا اور اپنی مشکل بتائی۔انہوں نے آگے سے بتایا کہ میں خود "گم کردہ راہ" ہوں۔ایک دو روز کیلئے امریکہ جاتے ہوئے پیرس رک گیا تھا۔اب سمجھ نہیں آرہا کہ اپنے ہوٹل کیسے پہنچوں۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے ۔۔۔ اب کسے رہنما کرے کوئی

البتہ تمھاری اس قدر مدد کرسکتا ہوں کہ سامنے ایک ہندوستانی برہمن پھل فروش ہے اس سے کچھ رہنمائی حاصل کرو۔میں اس پھل فروش کے پاس گیا تو اس نے خالص پنجابی لہجے میں بتایا کہ تقریباً ایک کلومیٹر دور انڈر گراؤنڈ اسٹیشن (میٹرو) ہے وہاں تک

پیدل جاؤ۔اور (چھتادو) علاقہ میں پہنچ جاؤ وہاں پر پاکستانی اور ہندوستانی ٹورسٹ علاقہ ہے سامان کو کھینچتے ہوئے ہانپتے کانپتے وہاں تک پہنچا اور نیچے انڈر گراؤنڈ میں اتر گیا یہ اچھا ہوا کہ میں انگلینڈ کے پچھلے دورے میں انڈر گراؤنڈ کا عادی ہوچکا تھا مگر یہاں زبان کا مسئلہ سب سے مشکل تھا۔ قدم قدم پر اس کی وجہ سے پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ اور پھر یورپ میں سب سے بڑا زیر زمین ریلوے سسٹم فرانس میں ہے۔

زمین کے اندر بڑے بڑے ریلوے اسٹیشن ہیں۔ اتنے بڑے کہ پورے شہر کا گمان ہوتا ہے۔ المختصر گاڑی میں سوار ہوگیا۔فرینچ ایک ٹورسٹ کے پاس اتنے زیادہ سامان کو حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ اس جان ناتواں پر کس کس کا بوجھ لدا ہوا ہے مطلوبہ مقام پر پہنچا اور پھر ہوٹل کی تلاش میں پورے علاقہ کا چکر کاٹا۔ آخر اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ ہی گیا۔ یہاں چند پاکستانیوں کی دکانیں تھیں ان سے مدد طلب کی قریبی ہوٹل میں جگہ ڈھونڈنے لگا بڑی مشکلات اور تگ ودو سے ہوٹل

"فرانس" میں کمرہ ملا . نہایت ہی مہنگا یہ تھری سٹار ہوٹل تھا اور تقریبا تین ہزار روپے ایک رات کے بن رہے تھے مجبورا کمرہ لیا کیونکہ شام ہوچکی تھی اور تھکاوٹ سے برا حال تھا۔چوتھے فلور پر کمرہ تھا جاتے ہی پلنگ پر ڈھیر ہوگیا۔کچھ دیر بعد ہوش حواس کو جمع کیا اور کھانے کی تلاش میں سرگرداں ہوا۔یہ بھی مشکل مرحلہ تھا باہر خاصی سردی تھی اور ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہورہی تھی۔لیکن سردی کا تریاق میں نے اوڑھ لیا تھا یہ لانگ کوٹ تھا جو آپ کو بارش اور سردی سے محفوظ رکھتا ہے۔مغربی ممالک میں تقریبا تمام مرد وزن سب اس کا استعمال لازماً کرتے ہیں۔ اس نے یورپ میں میرا کافی ساتھ دیا۔نیچے اترا اور گرد ونواح پر نظر دوڑائی کہ اس درویش بے گلیم کا پڑاؤ کس وادی غیر ذی زرع میں ہے۔چلتے ہوئے احتیاطاً ہوٹل کا کارڈ جیب میں رکھ لیا تھا (داشتہ بکار آید) کہیں کام آئے گا...... جس انجانے خوف سے ڈر رہا تھا وہی ہوا آخرکار اپنی عادت کے مطابق راستہ گم کردیا بلکہ علاقہ کا بھی کچھ پتہ نہیں چل رہا۔رات کا وقت تھا اور میں حلال کھانے کے چکر میں ادھر ادھر پھر رہا تھا۔

ے نکل گیا ہے وہ کوسوں دیار حرماں سے

اب رات کا عالم سخت سردی، تن تنہا ، نہ جان نہ پہچان نہ زبان ، کبھی ایک جانب کبھی دوسری جانب کہاں سے کہاں نکل گیا ۔جگہ جگہ بدمعاش لڑکے کھڑے تھے اور گھورتی نگاہوں سے ہر ایک کا تعاقب کررہے تھے ۔پھر مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ رات کو یہ لوگ تنہا لوگوں کو بالخصوص اجنبی مسافروں کو نقصان پہنچانے میں پس وپیش نہیں کرتے ۔اور لوٹ مار بھی کرلیتے ہیں ۔یہ بھی مغربی ممالک اور امریکہ کی بڑی بدقسمتی ہے کہ نئی نسل اپنی عیاشیوں ، منشیات اور دیگر ضروریات کیلئے لٹیرے بن رہے ہیں ۔میں نے دوران سفر یورپ کے اکثر شہروں میں یہ بات نوٹ کی کہ آپ رات کو تن تنہا سفر نہیں کرسکتے کسی بھی جگہ اور کسی بھی موڑ پر آپ کا واسطہ کسی لٹیرے ،بدمعاش اور نشے میں دھت لوگوں سے پڑسکتا ہے ۔خصوصاً انگلینڈ، امریکہ اور فرانس میں تو ہر روز ہزاروں واقعات ہوتے ہیں ۔بلکہ سننے میں آیا ہے کہ امریکہ کی بعض ریاستوں میں تو پولیس باقاعدہ لوگوں کو یہ مشورہ دیتی ہے کہ رات کو سفر کے دوران اپنی جیب میں چند ڈالر ضرور رکھیں کیونکہ اگر چوروں کوکچھ نہ ملے توغصہ میں آپ کو نقصان بھی پہنچاسکتے ہیں۔حقیقت میں ان مہذب ممالک کے شہروں کا یہ حال ہے۔میں نے پیرس میں جتنے زیادہ چور ،لٹیرے نراڈئیے، بدمعاش دیکھے وہ یورپ کے کسی دوسرے شہر کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں اوربدقسمتی سے ان میں اکثریت عربوں کی ہے۔ خصوصاً الجزائری ، تیونسی ، مراکشی، مصری، تھوڑے بہت ایشین اور زیادہ تر افریکن کالوں کی ہے۔ بالخصوص مراکیشیوں نے تو اہل فرانس کو ہلاکر رکھ دیا ہے۔ ان کی شرارتوں اور کمینگیوں نے پورے فرانس میں مسلمانوں کا ایمیج انتہائی خراب کردیا ہے۔ ہر روز نیا جھگڑا، نیا فراڈ اور نئی شرارت وہاں کے اخبارات کی شہ سرخی بنتی ہے۔ ان لوگوں میں اکثریت تارکین وطن کی ہے۔ جو چوری چھپے غیر قانونی طور پر وہاں رہ رہے ہیں۔ پیرس کی مثالی نفاست ، صفائی اور انتظام امن وامان پر یہ غیر قانونی لوگ اثر انداز ہوتے ہیں۔ مجھے یہ تاثرات اکثر فرانس کے

باشندوں نے ہی بتائے ہیں ۔ خیر جب میں کافی دور بھٹک گیا تو ایک گلی میں دو سائے رینگتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ڈرتے ڈرتے ان سے انگلش میں بات شروع کی میں خود بھی خوفزدہ تھا اور میرے مخاطبین کا حال بھی مجھ سے مختلف نہ تھا کہ خدا خبر یہ شخص کون ہے۔ میں نے ان پر واضح کیا کہ میں اپنا ٹھکانہ بھول گیا ہوں اور "نشان منزل" نہیں مل رہا۔ پلیز میری کچھ رہنمائی فرمائیں۔ ان کو میرے حال پر رحم آگیا اور مجھے تسلی دیتے ہوئے اپنے ساتھ لیا اب میں ان کے رحم وکرم پر تھا۔ میرے یہ رہنما دوست سٹوڈنٹ تھے۔ راستہ بھر میں ان کو اپنی پیرس میں پہلی رات کی "ستم ظریفی" کا حال سنا رہا تھا اور وہ مسکرا رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ خوش قسمت ہیں جو اتنی رات گئے چوروں لٹیروں سے محفوظ رہے اور کچھ نقصان نہ ہوا۔ میں نے ان کو اپنا کارڈ دکھایا۔ انہوں نے سب سے پہلے ٹیلی فون بوتھ سے میرے ہوٹل فون کیا منیجر سے فرینچ میں علاقہ اور راستہ معلوم کیا۔ پھر بتایا کہ آپ کی منزل کا سراغ مل گیا ہے۔ اور میرے ساتھ چل پڑے۔ راستہ میں انہوں نے پیرس کے بارے میں مفید معلومات فراہم کی۔ اور غیر ملکی تارکین وطن کا رونا رویا، کہ ان کے ھاتھوں آج ہمارا وطن اور ہمارا دیس محفوظ نہیں۔ دونوں جانب سے انگریزی کی خوب خبر لی جارہی تھی۔ میں تو انگریزی میں کمزور تھا ہی مگر دوسری جانب بھی معاملہ کچھ بہتر نہ تھا۔ اور تنہا مجھے خفت نہیں اٹھانا پڑرہی تھی۔

رکھ لی مرے خدا نے میری بے کسی کی شرم

اہل فرانس کے اس روئیے نے مجھے اس رات بہت متاثر کیا۔ انہوں نے تقریباً آدھا گھنٹہ میری رہنمائی کی۔ اپنا ذاتی فون کارڈ استعمال کیا۔ مفید مشورے دئیے اور ہوٹل کے دروازے میں چھوڑ کر چلے گئے۔ رات گزر گئی۔ صبح کو اب پیرس کو "مسخر کرنے" کا ارادہ تھا۔ طبعیت میں گرانی اور وحشت کا دوردور تک اثر نہیں تھا۔ پیرس کے مشہور آب وہوا اور موسم نے راتوں رات انقلاب پیدا کردیا تھا۔ سب سے پہلے میں ریلوے اسٹیشن پہنچا۔ تو

ہ ملا کہ شہر کے تفریحی مقامات کیلئے میٹرو بھی جاتی ہے،اور بسیں بھی، مگر بس میں وقت زیادہ لگتا ہے۔ میں نے

بس کو ترجیح دی، کیونکہ
اس سے شہر کی سیر اچھے طریقہ سے ہوتی ہے، اور ویسے بھی مجھے زیر زمین میٹرو کا اتنا شوق نہیں تھا۔ یہاں کی بسیں انتہائی خوبصورت کشادہ اور لمبی ہوتی ہیں۔ ہر علاقہ کیلئے نمبروار بسیں ہوتی ہیں۔ آپ بس کے اندر ہی ٹکٹ خرید سکتے ہیں۔ پھر اس کو خود کار مشین چیک کر کے آپ کیلئے راستہ کھول دیا جاتا ہے۔ بس میں بیٹھنے کے بعد میری منزل بلکہ ہر سیاح کی منزل پیرس کا مشہور عالم اور دنیا کا عجوبہ ایفل ٹاور تھا۔ بس میں ٹورسٹ زیادہ تھے کیونکہ سیزن تھا۔ امریکن کافی تعداد میں تھے۔ بس شہر کے درمیان سے گزر رہی تھی مختلف بازاروں اور چوکوں سے گزرتی ہوئی آخر منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ تھوڑا فاصلہ پیدل طے کیا۔ اب ہمارے سامنے دنیا کا وہ عجوبہ کھڑا تھا جس کا عمر بھر تصاویر میں نظارہ کیا تھا اور بچپن سے اس کا نام سن رکھا تھا۔ ایفل ٹاور لوہے فولاد کا پہاڑ، صنعت و حرفت کا لازوال کارنامہ، فن انجنیئرنگ کا ایک انوکھا شاہکار، اہل فرانس کا افتخار۔ آپ نیچے سے نگاہ ڈالنا شروع کریں تو نگاہیں اٹھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ آخری سرا آسمانوں کو چھوتا نظر آئے گا۔ لوہے فولاد کا بنا ہوا یہ ٹاور ایک عجیب کشش رکھتا ہے۔ یہ آہنی مینار ۱۸۸۹ء کی نمائش گاہ کے موقع پر بنایا گیا تھا۔ دراصل فرانس کی حکومت نے انقلاب فرانس کی یادگار تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تو دنیا بھر کے چیدہ چیدہ انجنیئروں اور معماروں سے اس یادگار کو بنانے کے نمونے طلب کئے۔ اس تاریخی عجوبہ کا خالق انجنیئر الیگزینڈر گستاف ایفل (Gustaveiffel) ہے۔ آپ کا نمونہ سب سے زیادہ پسند کیا گیا، اور اسی کے نام پر اس منصوبہ کا آغاز ہوا۔ اس مینار کی تعمیر جنوری ۱۸۸۷ء کو ہوئی اور ۳۰ مارچ ۱۸۸۹ء کو مکمل ہوئی۔ اس کی تعمیر میں تہتر لاکھ (۷۳۰۰۰۰۰) کلوگرام لوہا استعمال ہوا، اور اس کے جوڑنے میں ڈھائی کروڑ میخوں کی کثیر تعداد لگی۔ اس کو پہلی دفعہ جب رنگا گیا تو اس پر ساٹھ ہزار رنگ کے ڈبے لگے۔ اس مینار کی بلندی ۹۸۵ فیٹ ہے۔ "چار پائیں" پر کھڑا یہ دیوقامت مخروطی مینار دنیا کی بلند ترین عمارات میں ایک منفرد شان رکھتا ہے۔ اس کے

بنانے پر اگر چہ بعد میں آنے والوں نے بہت اعتراضات بھی کیئے کہ اس قدر

خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن اس مینار سے روزانہ کی آمد کا اگر حساب لگایا جائے تو یہ اپنے خرچ سے کئی گناہ زیادہ کما چکا ہے۔ اور دوسری بڑی بات یہ ہے کہ اس ٹاور سے دنیا جہان میں ان کی انجنئرنگ اور فن تعمیرات میں ان کی ثقاہت کا جو چرچا اور شہرت ہے۔ پیرس کی ایک بڑی وجہ شہرت یہ ٹاور بھی ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام بڑے بڑے اشتہارات پبلسٹی اور ایڈورٹائزنگ کی عکس بندی یہاں کی جاتی ہے۔ میری موجودگی میں بھی کئی بڑی کمپنیوں کے اشتہارات کی فلم بندی ہوری تھی۔ اور اس میں الجزائر اور مراکش کے لوگ پیش پیش تھے۔ اس ٹاور کی صحیح عظمت اور قدرومنزلت اور ہیبت کا اندازہ وہ شخص کرسکتا ہے۔ جو اس کے نیچے کھڑا اس کی بلندیوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ ایک مشت خاک انسان کے ہاتھوں کس قدر عظیم عجوبے وجود میں آتے ہیں۔ کمال اور تخلیق کا شوق ہردور کے انسان میں موجود رہا ہے۔ اور اس میں انسان دور جدید کے سہولیات کا بھی محتاج نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا عظیم بحری بیڑہ ہو یا حضرت داوٗد علیہ السلام کی فن زرہ سازی، ذوالقرنین کا سد سکندری ہو، بابل کے معلق باغات ہوں یا قوم عادوثمود کی عظیم تعمیرات۔ قوم سبا کا شاہکار ڈیم ہو یا حسن بن الصباح کا قلعہ الموت، اندلسی مسلمانوں کا شاہکار قصر اشبیلیہ ہو یا عبدالرحمن الداخل کی مسجد قرطبہ۔ ہزاروں سال پرانے احرام مصر ہوں یا دیوار چین۔ یونان کے قدیم مندر ہوں یا جیپور فتح پور سیکری کا قلعہ، دہلی کا قطب مینار ہو یا آگرہ کا تاج محل۔ الغرض ہر دور میں اس نے وہ وہ کارہائے عظیم انجام دیئے کہ بعد میں آنے والے سوائے اظہار حیرت کے اور کچھ نہ کرسکے۔

ع عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

ہر جانب سے سیاحوں کے لشکر اس لوہے کی چٹان کو سر کرنے بڑھے چلے آرہے تھے، جو بھی پہلی نظر سے دیکھتا ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا۔ اس کی اہمیت اور عالمگیر شہرت سے

متاثر ہوکر دنیا جہان سے سیاح صرف اسی کو دیکھنے کیلئے آتے ہیں، اکثر سیاحوں کو تو فرانس میں ماسوائے اس ٹاور کے کسی اور چیز سے دلچسپی ہی نہیں ہوتی اور صرف اس مینار کی "زیارت" کو مقصود سفر بناتے ہیں۔ دریائے سین کے کنارے دوسڑکوں کے ساتھ وسیع وعریض سرسبز وشاداب میدانوں میں یہ ٹاور اپنی تمام تر شکوہ، بلندیوں، اور وقار وتمکنت کے ساتھ خاموش فلک کے ساتھ سرگوشیوں میں مصروف ہے۔ مہم جویانہ طبیعت نے اس ٹاور کو سرکرنے کی ٹھان لی اور افق پیمائی کے شوق میں ذوق پرواز نے پر تولنا شروع کئیے کردیئے۔

ٹاور پر چڑھنے کی 'سعادت' کو حاصل کرنے کے لئے لوگوں کا جم غفیر لائنوں میں موجود تھا، بلکہ باقاعدہ صف بندی کی گئی تھی۔

کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

یورپ میں سب سے اچھی روایت قطار اور انتظار کرنا، اور دوسرے لوگوں کا خیال رکھنا ہے اور یہ ان کا سب سے بڑا وصف ہے۔ بڑے بڑے آدمی بھی بغیر قطار کے کوئی شے حاصل نہیں کرسکتے چاہے اِنتظار کرتے پورا دن گزر جائے۔

یہاں یہ بات ناممکن ہے کہ آپ بغیر لائن اور باری کے کچھ حاصل کرسکیں یہ نظم ونسق اور دوسرے کا احترام ایک قابل قدر بات ہے۔ ہمارے ممالک میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہم جیسے ناآشنائے صبر وانتظار نے بھی یہ تلخ آبہ انتظار برداشت کیا۔ کئی سیاح تومرغک بے مایہ کی طرح اس شاخ بلند تک پہنچنے کیلئے تڑپ رہے تھے۔ اوپر جانے کے لئے انتظامیہ نے 'مراتب' کے لحاظ سے ٹکٹ مقرر کئے تھے۔

ایک راستہ سیڑھیوں کا تھا جو دشوار اور سخت محنت طلب تھا، یہ سیڑھیاں جو صرف پہلی منزل تک پہنچتی تھیں اور اس کا ٹکٹ سب سے سستا تھا، دوسرا راستہ ہم جیسے "سہل پسند" اور "آرام طبع" افراد کیلئے تھا۔ اور یہ ایک لفٹ کا راستہ تھا۔ میں نے دوسرے راستہ کا انتخاب کیا کہ کسی مقام پر عزیمت کے علاوہ رخصت پر بھی عمل کبھی کبھار کرلیناچاہیئے۔

ٹکٹ کے مختلف درجے تھے، 35 فرانک، 45 فرانک اور سب سے اعلیٰ اور چوٹی تک کا کرایہ 60 فرانک تھا، اور یہ سب سے اوپر تک جاتا تھا۔ ٹاور کی ہر منزل پر ایک چھوٹا سا خوبصورت ریسٹورنٹ بھی بنایا گیا ہے۔ میں نے شاخ بلند کا ٹکٹ لیا کہ عنقارا بلند است آشیانہ آخریٔ بلندیٔ کے سارے منازل طے کرنے کے بعد ٹاور کے آخری منزل پر پہنچ گیا۔ جہاں سے پیرس کا حسین نظارہ سیاحوں کو ایک عجیب خوش کن دعوت نظارہ دے رہا تھا۔

ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

سیاحوں کی سہولت کیلئے دوربینیں فٹ تھیں اور رنگین تصاویر پر پیرس کی تمام اہم عمارات اور دوردراز علاقوں کا تفصیلی حال لکھا ہوا تھا ، ساتھ ہی ساتھ ہر عمارت کی حیثیت اور اس کا محل وقوع بھی درج تھا۔ ہوا میں نمی اور ٹھنڈک تھا۔ اس جگہ کو ہیٹر کے ذریعے گرم کیا گیا تھا۔ اس کے بعد دس بارہ سیڑھیاں اوپر تک چلی گئی تھیں، یہاں پر انتہائی بلندی کے باعث سخت سردی تھی، چاروں جانب حفاظتی جنگلہ تھا، کیونکہ بہت سارے لوگوں نے مادیت ، لامذہبیت اور زندگی کی کشاکش اور خراب حالت کے باعث تنگ آکر خودکشی کیلئے اس ٹاور کو استعمال کیا تھا۔

کافی دیر تک میں ٹاور کے اس حصے میں گھومتا رہا، پیرس کی مسحور کن خوبصورتی اس کے وسیع وعریض اور تاریخی شہر نے نہایت ہی متاثر کیا۔ شہر کے درمیان میں دریائے سین ندی کی مانند بہہ رہا تھا۔ یہاں کافی دیر ہوگئی تو بھوک سے برا حال تھا۔ پاپ کارن کا ایک پیکٹ لیا جو تقریبا پینسٹھ ستر روپے کا پڑا۔ پیرس دنیا کا مہنگا ترین شہر ہے۔

میں دریائے سین کے کنارے خوبصورت بینچوں پر بیٹھ گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے فرانس کی تاریخ ، انقلابات اور سینکڑوں سال پرانی تہذیب وتمدن کے اوراق کھلنے لگے فرانس نے دنیا کے کئی علاقوں پر حکمرانی کی ہے۔ کئی اقوام کو اس نے بہ زور شمشیر غلامی کی زنجیر میں برسوں تک جھکڑے رکھا۔ اور مدتوں یہ آزادی کا علمبردار خود کئی اقوام کی آزادی کو سلب کئے رکھا۔ آج دنیا جہان میں انقلاب فرانس کے حامی اور اس کی

جمہوریت ،مساوات اور انسانی حقوق کا تحفظ اور آزادی کا پرچار کرنے والے زرا ماضی کے جھرکوں سے اس کے خون خوار کردار کو دیکھیں تو ان کو اس کا سیاہ چہرہ نظر آئے گا۔ اس ملک نے بھی انگلستان کی طرح کئی نوآبادیاتی کالونیاں بنائیں طاقت اور غرور کے نشے میں خود یورپین ممالک کو بھی نہیں بخشا۔ اور وقفہ وقفہ سے ان پر چڑھائی کی۔ خصوصاً عالم اسلام کے خلاف اس نے جو کچھ کیا وہ ہلاکو، چنگیز،اور تاتاریوں کے فتنے سے زیادہ ہے۔

فرانس کا اسلام دشمن کردار:۔

میں دریا سین کے کنارے انہی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا ۔ اور فرانس کے مظالم گن رہا تھا میرے سامنے فرانس کا عالم اسلام کے خلاف قابل نفریں کردار، اس کی مکروہ سازشیں اور اس کے ناقابل بیان مظالم پھرنے لگے۔ دریا سین کی لہریں مجھے دجلہ و فرات اور نیل کی داستانیں سنانی لگیں فرانس نے جولائی ۱۷۹۸ء میں نپولین کی قیادت میں مصر پر حملہ کیا اسکندریہ کو فتح کرنے کے بعد یہ قاہرہ بھی پہنچ گیا اور اس نے مصر میں قتل وغارت ، لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ اس کے خلاف بغاوتیں بھی ہوئی لیکن اس نے ہر بغاوت کو جبرواستبداد کی ذریعہ دبایا، قاہرہ میں ۲۱ اکتوبر ۱۷۹۸ ء میں بغاوت ہوئی اور اس ظالم بد بخت جرنیل نے تقریباً پانچ ہزار نہتے شہریوں کو شہید کیا۔ اسی طرح فرانسیسیوں نے شام میں جو کچھ کیا ہے وہ بربریت کا ایک سیاہ داغ ہے۔ شام میں اس نے تقریباً ۲۹ برس تک مسلمانوں کے خون کے ساتھ ہولی کھیلی ۔ ۱۹۱۸ ء میں اس نے شام پر قبضہ کیا۔ نپولین نے جافہ میں پانچ ہزار قیدیوں کو باوجود صلح کے قتل کیا۔ شام کے غیور مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری۔ اور باالآخر فرانس ۱۹۴۶ ءمیں شام سے بھاگنے پر مجبور ہوا۔ فرانس کے

مظالم کی داستان طویل ہے۔ اس نے الجزئر پر بھی کافی عرصہ قبضہ کیا۔ اور ہزاروں مسلمانوں کو اس نے قتل کیا۔ الجزئر کے عوام نے احمد بن بیلا اور فرحت عباس کی قیادت میں تحریک آزادی چلائی۔ ۱۹۶۲ ء میں فرانسیسی استبداد سے آزادی حاصل کی۔ فرانس نے ترکوں اور عربوں میں تفرقہ ڈالا۔ اور عربوں کو سلطنت عثمانہ کے خلاف بغاوت کرنے پر اکسیا۔اور مسلمانوں کی عظیم خلافت کو باالآخر ناپاک سازشوں کے ذریعہ ختم کردیا۔ (جاری ہے)
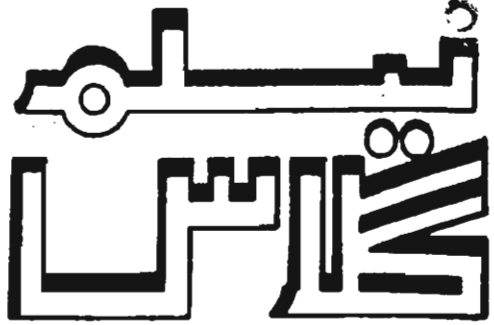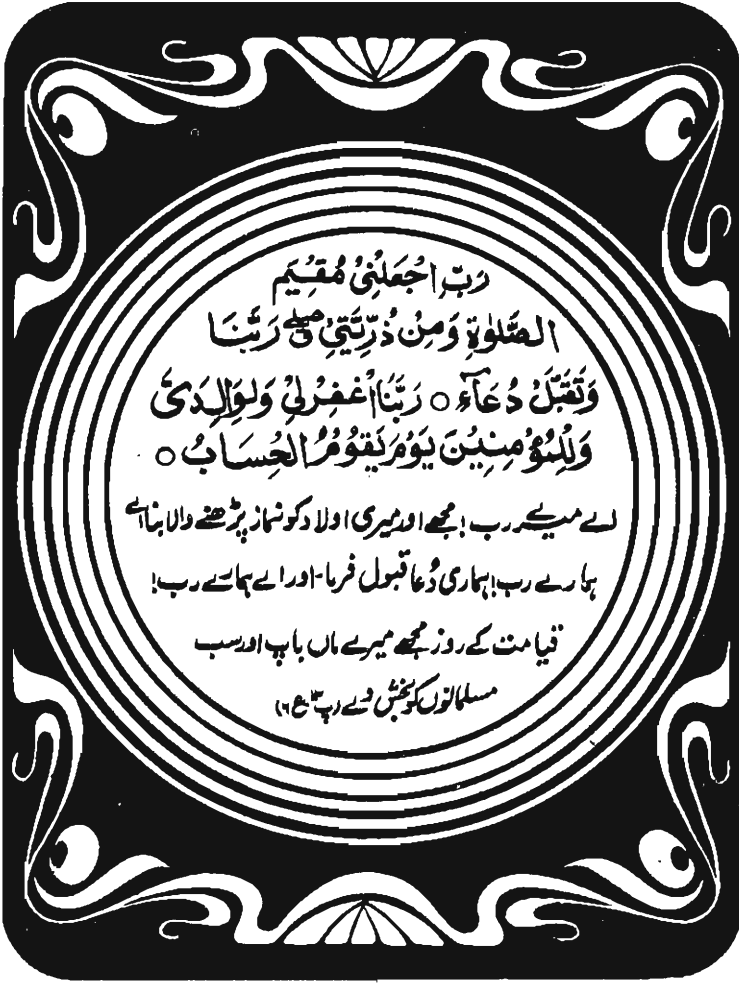
دعائے مغفرت

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے جید استاذ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دیروی مدظلہ کی والدہ محترمہ گذشتہ دنوں انتقال فرماگئیں۔ مرحومہ انتہائی عابدہ زاہدہ اور فرشتہ صفت خاتون تھیں۔ قارئین سے ان کیلئے دعائے مغفرت کی التماس ہے ، ادارہ حضرت مولانا صاحب مدظلہ کے ساتھ اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنی جوار رحمت میں اعلیٰ علیین عطافرماتے ہوئے پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

قربانی کی کھالیں

قیامت تک صدقۂ جاریہ بنائیے دارلعلوم حقانیہ بہترین مصرف

اپیل

جامعہ میں زیر تعلیم ڈھائی ہزار طلبہ کی دینی تعلیم وتربیت میں حصہ لینے کیلئے چرمہائے قربانی یا ان کی قیمت صدقات و عطیات وغیرہ سے تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں ۔ان مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور نصرت آپ کیلئے صدقۂ جاریہ بنے گی، جو قیامت تک علم دین کی شکل میں جاری وساری رہے گی۔

ملک بھر کی معروف اور قدیم دینی درسگاہ جامعہ حقانیہ نے امسال بھی گائے کی قربانی کا معقول انتظام کیا ہے ۔قربانی کی اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کے لئے جامعہ حقانیہ کے دفتر سے رجوع فرمائیں جامعہ میں تینوں دن گائے کی قربانی کا انتظام کیا جاتا ہے ۔خواہشمند حضرات سے درخواست ہے کہ پہلے آئیں اور پہلے پائیں کی بنیاد پر حصہ ڈال کر عنداللہ ماجور ہوں

الداعی الی الخیر۔ (مولانا) سمیع الحق مہتمم جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

معیار
ہر قیمت پر
نوّے سال سے رُوح افزا کا بلند معیار ہی
رُوح افزا کی مقبولیت کی اساس ہے
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
HAMDARD FRUIT PRODUCTS
شربت روح افزا
MADE IN PAKISTAN
مدینۃ الحکمۃ
راحتِ جاں رُوح افزا مشروبِ مشرق
ہمدرد

REGD NO:P 90.MONTHLY.AL HAQ AKORA KHATTAK

جلد اوّل

جامعہ دار العلوم حقانیہ کے نائب مہتمم استاذ حدیث و تفسیر حضرت مولانا انوار الحق حقانی صاحب کے خطبات اور مواعظ جمعہ کا حسین گلدستہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کی ایک جھلک "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ" کا ایک نمونہ علوم و معارف کا خزینہ مختلف موضوعات پر علمی و دینی اور روح پرور تقاریر کا دلچسپ مرقع "از دل خیزد بر دل ریزد" کا صحیح مصداق، سلاست اور جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے، خطباء، واعظین، مبلغین

— اور اصلاحی حلقوں میں یکساں مفید ہے —

(زیر طبع)

— مرتّبین —

- حافظ فضل اللہ جان سواتی
- حافظ سلمان الحق حقانی

مؤتمر المصنّفین دار العلوم حقّانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ